مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز دہلی اور دیوبند

کہ تمام اداروں کی **درسیات** دستیاب ہیں

حیدرآباد، اضلاع اور پڑوسی ریاستوں کے تاجرین اور

اسکولس کے انتظامیہ فوری ربط پیدا کریں۔

ملنے کا پتہ

اسلامی کتابوں کی دنیا

ھدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس

455- پرانی حویلی حیدرآباد-2 انڈیا

Ph:24514892,66481637

E-mail : hudabooks@yahoo.com

''اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (قرآن)

سہ روزہ دعوت

نئی دہلی

www.dawatonline.com

IQRA PUBLIC SCHOOL

Idgah Mundiyar Phoolpur Azamgarh

REQUIRES

T.G.Ts for English, Maths, Social Science, and Science

Last date of application form: 26-06-09

(With Full Bio Data and Photograph)

Date of Interview: 25-06-2009 at 2 P.M.

C/o Khan Clinic

Phoolpur Azamgarh (U.P.) Pin Code: 276304

Mobile No. 9838581626, 9889426363, Fax No. 05460-230057,

Email: iqra'school@hotmail.com

• جلد:۵۷ • شمارہ:۵۵ • ۱۶رجون ۲۰۰۹ء • 16 June 2009 • سہ شنبہ • ۲۲رجمادی الثانی ۱۴۳۰ھ • قیمت=/Rs.5 • سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲ ریال • Posting: 14 June 2009 Sunday

عوام کو متحرک کرنے کی موثر کوشش اب تک نہیں کی جاسکی ہے

مجتبیٰ فاروق سکریٹری جماعت اسلامی ہند

حالیہ نتائج کے اعتبار سے یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ مسلم سیاسی پارٹیوں سے نقصان ہوا ہے۔ لیکن اگر تجزیہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جس کامیابی کی ہم توقع کر رہے تھے اس کی بنیاد کیا تھی؟ دراصل اب تک مسلمانوں کی کسی ایسی جماعت نے کوئی سیاسی قدم نہیں اٹھایا جس کا اثر عوام میں مقامی سطح تک ہو اس لئے ملکی سطح پر اس کی توقع کرنا بے سود ہے۔ جہاں تک بہتر نیٹ ورکنگ کا تعلق ہے ملک گیر سطح پر دو بڑی جماعتیں جماعت اسلامی ہند اور جمعیت علماء ہند ایسی ہیں جن کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان سے وابستہ افراد مقامی سطح تک پائے جاتے ہیں جب کوئی پہل ملک گیر سطح پر نہیں ہوئی تو ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ تجربہ ناکام رہا۔ اس بار کچھ کوششیں اپنے طور پر ضرور ہوئیں کچھ سیاسی گروپ (مسلم سیاسی گروپ) یوپی میں اُبھر کر سامنے آئے ہیں جنہوں نے ووٹ تو حاصل کیا لیکن کوئی سیٹ نہیں جیت سکے حالانکہ انہوں نے بہت بڑے بڑے جلسے کئے لیکن وہ بھیڑ ووٹ میں تبدیل نہیں ہوسکی۔ اس کی مختلف وجوہ ہیں۔ اوّل یہ کہ اچانک پارٹی بنا کر لوک سبھا کے الیکشن میں کھڑے ہونا جس کا کوئی تنظیمی ڈھانچہ نہ ہو، کارکن نہ ہوں اور سیاسی تجربہ نہ ہو تو ووٹ حاصل کرنا مشکل کام ہوگا۔ ان سیاسی پارٹیوں کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا آخر وقت تک حمایت کو باقی رکھنے اور اس کو ووٹ میں تبدیل کرنے میں ناکام رہے۔ مسلمانوں نے بعض مقامات پر جب دیکھا کہ ووٹ کی تقسیم سے بی جے پی کو فائدہ ہوگا اس لئے اپنے طور پر فیصلہ کرلیا جہاں مناسب سمجھا ان پارٹیوں کو ووٹ دیا اور جہاں لگا کہ ووٹ کی تقسیم نقصان دہ ہوگی، کانگریس کی حمایت کردی۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کانگریس کی یہ کامیابی مسلمانوں کی Tactical ووٹنگ کا نتیجہ ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ مسلمانوں نے جو کیا وہ غلط تھا درست نہیں ہے مسلمان اپنے پہلے ہدف بی جے پی کو شکست دینے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ میں ان علاقائی مسلم سیاسی پارٹیوں کی کوشش کو مثبت مانتا ہوں۔ آسام میں AUDF کو کامیابی تو صرف ایک ہی سیٹ پر ملی لیکن دیگر حلقوں میں اس نے اپنی طاقت کو ظاہر کردیا، مستقبل میں اس کے بہتر نتائج حاصل ہوں گے۔ رہی بات یوپی کی تو ان مسلم سیاسی پارٹیوں نے جتنا ووٹ حاصل کیا ہے۔ کسی پارٹی کا اچانک اتنا ووٹ ملنا بڑی بات ہے۔ لوک سبھا انتخاب میں اتنی جلدی نتیجے کی اُمید کرنا مشکل ہے۔ میرے خیال میں ان پارٹیوں نے بنیاد کچھ اس شکل میں رکھی ہے کہ اگر سنجیدگی کے ساتھ کام کرتے رہے تو اسمبلی الیکشن میں انہیں اچھی کامیابی مل سکتی ہے۔ اس الیکشن سے خود مسلمانوں کا رجحان یہ ظاہر ہوا ہے کہ اگر مسلمان الیکشن میں حصہ لیں اور اچھے ہوں تو مسلمان اس کو ترجیح دیں گے۔ ایک بات جس کا اندیشہ ظاہر کیا جارہا تھا کہ ووٹ کا Polarization ہوگا وہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ایسا ماضی میں بھی ہوتا رہا ہے۔ اب ووٹ ذات پات کی بنیاد پر دیا جاتا ہے اور تمام سیاسی پارٹیاں ٹکٹ دیتے وقت یہ ملحوظ رکھتی ہیں کہ کسے ٹکٹ دینا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس Polarization کو ٹھیک طرح سے ڈیل کیا جائے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آئندہ الیکشن میں ایسے کون سے گروپ ہو جن کو آپس میں مفاہمت کا راستہ اختیار کرکے الیکشن میں حصہ لینا چاہئے۔ علماء کونسل نے دو غیر مسلم امیدوار میدان میں اتارے تھے انہوں نے کوئی کمیونل رویہ اختیار نہیں کیا۔ ان غیر مسلم امیدواروں کو ان کی برادری کا تو ووٹ نہیں ملا البتہ مسلمانوں نے پورے طور پر ووٹ دیا۔ اس سے ایک بات اور واضح ہوگئی کہ ہم اپنے ووٹ کو ٹرانسفر کراسکتے ہیں۔ اب ہم ان سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر آپ اپنی برادری کا ووٹ حاصل کرتے تو نتیجہ کچھ اور ہوتا اس سے دوسروں میں ہمارے تئیں اعتماد کی فضا بحال ہوتی ہے۔ جماعت اسلامی ہند نے بہت ساری ریاستوں میں سیکولر امیدواروں کی حمایت کا اعلان کیا اس کی ترجیحات میں یہ بات پہلے سے طے ہے کہ وہ الیکشن میں فاشسٹ طاقتوں کو روکنا چاہتی ہے۔ ہم نے کچھ مقامات پر تو ریاستی سطح پر پارٹی پالیسی کی بنیاد پر حمایت کا اعلان کیا اور کچھ مقامات پر فاشزم کے خلاف مضبوط سیکولر اُمیدوار کو اور کہیں کسی سیاسی اتحاد کی حمایت کی۔ ہمارا یہ فیصلہ درست رہا۔ حالات کا جائزہ لینے کے بعد جہاں جو حکمت عملی مناسب معلوم ہوئی اس حساب سے ہم نے طے کیا۔ حالیہ دنوں میں مختلف مسلم اداروں نے تہنیتی پروگرام میں وزراء کو بلایا ہے اور ان سے اپنی توقعات کا اظہار کیا ہے۔ گزشتہ دنوں ایک پروگرام کے دوران مولانا محمود مدنی نے مرکزی وزیر برائے فروغ انسانی وسائل کپل سبل کے سامنے یہ بات رکھی کہ فی الحال جامعہ ملیہ اسلامیہ کا اقلیتی کردار بحال کریں۔ دوسرے یہ کہ ریزرویشن مسلمانوں کا نہ صرف مطالبہ ہے بلکہ ان کا حق ہے اس لئے ملنا چاہئے۔ تیسری بات کمیونل وائلنس بل کو صحیح طور پر پیش کیا جائے۔ اس طرح سے حکومت پر دباؤ بنانے کا عمل جاری ہوچکا ہے۔ ہم چاہیں گے کہ اس طرح کی کوشش مشترکہ طور پر ہو تو زیادہ موثر ثابت ہوگی۔ الیکشن میں سیکولر امیدواروں کی کامیابی کو لے کر JCMOE کی گائڈ لائن کے مطابق جن کے بارے میں تائید کا اعلان کیا گیا تھا کم وبیش وہی لوگ ہماری فہرست میں بھی تھے جن کی جماعت اسلامی نے تائید کی تھی۔ دراصل سید شہاب الدین صاحب یہ کام ملکی سطح پر کرنا چاہتے تھے لیکن ایسا ہو نہیں سکا تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مضبوط سیکولر امیدواروں کی حمایت کی جائے۔ چاہے جس ذات یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ وقت اور حالات کی تبدیلی کی وجہ سے جو پارٹیاں وجود میں آئی ہیں ان کو چاہئے کہ وہ اس کوشش کو جاری رکھیں۔ خود کو منظم کریں کارکن تیار کریں جس کی بنیاد پر آئندہ اسمبلی کے انتخابات میں انہیں کامیابی مل سکتی ہے۔

اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلم عوام کے درمیان میں جب یہ سیاسی پارٹیاں جائیں تو مسالک کو بھی ملحوظ رکھیں کوئی قابل اثر ایسا نہ ہو جو چھوٹ جائے اسی طرح برادریوں کا بھی خیال رکھنا ضروری ہوگا اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے درمیان ووٹ کی تقسیم کا معاملہ نہیں پیش آئے گا۔ وسیع ذہن سے ایک مقصد کے حصول کے لئے حکمت عملی سے کام لیا جائے تو کامیابی ضرور ملے گی۔ جماعت اسلامی ہند کے بارے میں یہ بات واضح ہے کہ جماعت کی شوریٰ نے سیاسی پارٹی تشکیل دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ فیصلہ بہت اجمالی ہے اصولی طور پر جماعت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ الیکشن نہیں لڑے گی لیکن کوئی پارٹی تشکیل دے گی اس کے لئے زمینی سطح پر کچھ کام کرنے کی ضرورت ہے اس پر کام جاری ہے۔ اس کے لئے قائم کی گئی کمیٹی حلقے سے اطلاعات اور مشورے حاصل کررہی ہے پارٹی کی تشکیل کا عمل جاری ہے۔ (گفتگو: اشرف بستوی)

اب حکومت پر دباؤ بنانے کا بہتر طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے

ڈاکٹر منظور عالم، جنرل سکریٹری آل انڈیا ملی کونسل، نئی دہلی

جہاں تک مسلم سیاسی پارٹیوں کا تعلق ہے خاص طور سے شمالی ہند کی ریاستوں میں یہ سبھی پارٹیاں بغیر کسی منصوبے اور حکمت عملی کے میدان میں اُترتی رہی ہیں اور اب کچھ نئے نام اس فہرست میں اور شامل ہوگئے ہیں۔ الیکشن اس کا نام ہرگز نہیں ہے جذبات کی رو میں بہہ کر اپنی تمناؤں کی تکمیل نہ ہونے کے نتیجے میں ردعمل کے طور پر یا کسی سیاسی پارٹی یا حکومت سے ناراضگی کے نتیجے میں میدان میں آئیں اور یہ خیال کریں کہ سارے لوگ ساتھ دیں گے؟ یہ ممکن نہیں ہے۔ الیکشن نام ہوتا ہے کہ کسی اسمبلی یا پارلیمانی حلقے میں آبادی کی صورت حال کیا ہے؟ وہاں کے مسائل کیا ہیں؟ کس طرح کا Interctaion مختلف سیاسی پارٹیوں میں ہورہا ہے؟ حلقے میں کس طرح کے منفی اور مثبت حالات پیدا کئے گئے ہیں؟ ان تمام چیزوں پر جب تک گہرائی سے تجزیہ نہیں ہوگا اس وقت تک کوئی کوشش نتیجہ خیز ثابت ہونے کا سوال ہی نہیں ہے۔

نتیجہ کے اعتبار سے حالیہ لوک سبھا انتخابات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ یہ مسلم سیاسی پارٹیاں کچھ ووٹ کاٹنے میں کامیاب ہوگئیں، مسلمانوں میں غصے کی کیفیت کو الیکشن کے دوران قائم رکھنے میں تو کامیاب ہوگئیں لیکن نتیجہ صفر رہا۔ دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ جو لوگ الیکشن میں امیدوار کے طور پر کھڑے ہوئے وہ یا تو از خود ہوئے یا انہیں کھڑا ہونے کے لئے اسباب فراہم کیا گیا یہ وہ ساری باتیں ہیں جو عوام کے سامنے ظاہر ہونے لگیں اس کے نتیجے میں بھی لوگوں کا رجحان اس طرح سے قائم نہیں ہوا کہ ہر حال میں ووٹ دیں۔ اس کا ایک تیسرا پہلو یہ تھا کہ لوگوں نے محسوس کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ووٹ کی تقسیم سے بی جے پی کو فائدہ پہنچ جائے اس لئے بھی عوام نے مسلم سیاسی پارٹیوں کے امیدواروں کو مسترد کردیا بدقسمتی سے کچھ مقامات پر ان پارٹیوں کی وجہ سے بی جے پی کو کچھ فائدہ پہنچا ہے لیکن انہیں خود کوئی فائدہ نہیں ہوسکا۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ سیاسی پارٹی کا قیام رائے عامہ ہموار کرکے نہیں ہوا ہے۔

جس کے پاس زیادہ مالی وسائل ہیں انہوں نے اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر مسلم سیاسی پارٹی کی حیثیت سے ابھرنے کی کوشش کی۔ سوائے ان علاقوں کے جہاں وہ جذبہ ہے ایسے علاقے میں آسام آتا ہے کہ ہمیشہ بنگلہ دیشی کہہ کر وہاں کے مسلمانوں کو ان کے خلاف ظلم وزیادتی ہوتی رہی وہاں جب مسلم سیاسی پارٹی وجود میں آئی تو کئی دہائیوں سے ستائے گئے عوام نے اسے

جس ملک میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہوں ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والی شدت پسند تنظیمیں اکثریت کو Polarise کررہی ہوں اور اگر وہاں ہماری آبادی ۲۰ سے ۳۵ فیصد تک بھی ہو اور اس بنیاد پر ہم یہ خیال کریں کہ مسلم سیاسی پارٹی کو ووٹ حاصل ہوجائے گا یہ عقل مندی نہیں ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اب ہم ملک کے نیشنل سیاسی پارٹیوں کے سامنے اپنے وزن کو کیسے پیدا

ووٹ تقسیم ہونے سے روکا جاسکے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو کوئی بڑی کامیابی نہیں مل سکتی۔ جہاں تک حکومت پر دباؤ ڈالنے کا سوال ہے اس کا نتیجہ فوری طور پر حاصل نہیں ہوگا اس کے لئے مستقل کام کرنے کی ضرورت ہے۔

انتخابات کے نتائج نے یہ ثابت کردیا ہے کہ مسلم تنظیموں کی قیادت سے زیادہ ہوش مندی کا ثبوت مسلم عوام نے دیا ہے اور بی جے پی کو روکنے میں کامیابی ملی ہے عوام نے

حکومت مغربی بنگال میں ایک لمبے عرصے سے ہے اس نے وہاں کے مسلمانوں کو کس مقام پر پہنچادیا ہے۔ مسلم تنظیموں نے سیاسی پارٹیوں کے نعروں کو اختیار کرکے فاش غلطی کی۔ مسلم تنظیموں کو چاہئے تھا کہ مسلم مفاد اعظم کو کسی نعرے کے بغیر اپنی حیثیت سے میدان سے حاصل اطلاعات کی بنیاد پر تعصب سے بلند ہوکر فیصلہ کرتے تو بہتر ہوتا۔ اور کچھ تنظیمیں ایسی بھی تھیں جو میدان میں کبھی گئی ہی نہیں بذریعہ فون اپنے لوگوں سے اطلاعات حاصل کیں جس کی بنیاد پر ووٹ کسے دیا جائے اس کا بھی اعلان کردیا۔

میں یہ دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس میں یہ فرق صرف ملی کونسل نے رکھا ہدف دو دیئے گئے اوّل یہ کہ کسی بھی حال میں بی جے پی آنے سے روکنا ہے۔ دوسرے یہ کہ پہلی ترجیح کانگریس ہوگی یا جہاں اس کے امیدوار کمزور ہیں یا نہیں ہیں وہاں اگر کوئی دوسرا سیکولر امیدوار کامیاب ہورہا ہے تو اسے ووٹ دیا جائے۔ ہم نے بنیادی فرق کے ساتھ کام کیا۔ ایک اور پہلو عام مسلمانوں کی سمجھ کا تھا کانگریس کا Perpormence جب ۹۰ کی دہائی سے گرنا شروع ہوا جس کے نتیجے میں علاقائی پارٹیاں اُبھرنے لگیں تو کانگریس نے ان کے ساتھ مل کر کام کیا چونکہ ساری علاقائی پارٹیاں شخصی تھیں اس لئے بہت جلد ہی ان کا اصل چہرہ ظاہر ہونے لگا مخصوص خاندان اور برادری کو سامنے رکھ کر سیاست شروع ہوگئی اور مسلمانوں کو حاشیے پر لاکر چھوڑ دیا گیا۔ اس کی وجہ سے بھی مسلم عوام کا نظریہ ان پارٹیوں کے متعلق تبدیل ہوا۔

جہاں تک آئندہ حکمت عملی کی بات ہے یہ تو اس وقت طے ہونا چاہئے لیکن ایک بات ضرور ہے کہ کوئی حکمت عملی تبھی کامیاب ہوگی جب میدان میں صحیح مشورے کے ساتھ عملی اقدامات کئے جائیں۔ جسے میں یوں کہہ سکتا ہوں کہ ایک ایسی مانیٹرنگ کمیٹی ہو جو حکومتوں کی جانب سے کئے جانے والے وعدوں اور وعید کا تجزیہ کرے اس پر مستقل کام ہو۔ جس سے حکومت پر دباؤ بنے گا۔ یہاں پر یہ واضح رہے کہ یہ صرف مسلمانوں کے لئے نہ ہو اس میں سبھی کی شمولیت ہو یہ کام مرکزی اور ریاستی دونوں سطح پر کیا جائے۔

(گفتگو پر مبنی)

مسیحا کے طور پر دیکھا وہاں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جیت تو انہیں ایک سیٹ پر حاصل ہوئی اور تین مقامات پر بی جے پی کو کامیابی مل گئی مگر ساتھ ہی کئی حلقوں میں آسام یوڈی ایف اپنی پوزیشنیں کامیاب رہی ہے۔ مستقبل میں یہ امید کی جاسکتی ہے کہ مزید بہتر نتائج آئیں گے بقیہ جہاں بھی مسلم سیاسی پارٹیاں رہی ہیں ان پر جذباتیت کا پہلو زیادہ سنجیدگی کم دیکھی گئی۔

کرتے ہیں کہ وہ آپ کی باتوں کو دھیرے دھیرے تسلیم کرنے کو تیار ہوں جہاں ہم اپنے پسند کے کچھ امیدوار بھی داخل کرسکیں جس دن ہم نے یہ حیثیت پیدا کرلی تو ہم پھر دوسرے مرحلے میں داخل ہوجائیں گے پھر کوئی ایسی چیز جو فیڈرل شکل بن سکے جن کے اندر کوئی بھی مسلم سیاسی پارٹی جو الیکشن میں دلچسپی لے رہی ہو وہ ازخود فیصلہ کرنے کے بجائے ایک غیر سیاسی تنظیم کی نگرانی میں کام کرے جہاں

بہتر متبادل تلاش لیا۔ مسلم تنظیموں کا حال یہ رہا کہ ان میں سے کچھ ایسی بھی رہیں جو اس نعرے کے ساتھ چلتی رہیں کہ کانگریس اور بی جے پی کو چھوڑ کر تیسرے مورچے کی حمایت کریں ان کا یہ فیصلہ جذباتیت نفرت غصہ یا اور کسی وجہ سے تھا جو ایک سیاسی پارٹی کا نعرہ ہے اسے کچھ مسلم تنظیموں نے اختیار کرلیا۔

قابل تعریف ہیں مسلم عوام کہ انہوں نے تیسرے مورچے کو غور سے دیکھا کہ جس کی

موضوع سخن

لوک سبھا انتخابات میں مسلم سیاسی گروپوں کا رول

لوک سبھا کے حالیہ انتخابات کچھ خاص امور کے حامل رہے۔ پولنگ سے پہلے کی ایک خاص بات یہ تھی کہ ان انتخابات میں ملک گیر نوعیت کا کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ کانگریس اپنی ''بہتر'' کارکردگی کی دہائی دے رہی تھی، بھارتیہ جنتا پارٹی وقتِ آخر تک کسی گرم مسئلہ کی تلاش میں رہی۔ دوسری خاص بات یہ تھی کہ دونوں بڑی پارٹیوں نے وزارت عظمیٰ کے لئے اپنے اپنے امیدوار کے نام کا اعلان کردیا تھا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا — انتخابات کے بعد کی صورت یہ رہی کہ کانگریس کو غیر متوقع کامیابی ملی اور بی جے پی کو غیر متوقع شکست۔ شمالی ہند کی علاقائی پارٹیاں، جو کہ ذات برادری کی بنیاد پر قائم ہیں، مطلع سیاست سے یا تو غائب ہوگئیں یا کمزور ہوگئیں — لیکن ایک اہم اور غیر معمولی بات جو ان انتخابات میں دیکھی گئی وہ تھی مسلم رائے دہندگان کی بیداری جس کا بڑا مظاہرہ مسلم سیاسی گروپوں کی تشکیل اور ان کی سرگرمیوں کی صورت میں ہوا۔ کچھ گروپوں نے انتخابات میں باقاعدہ اپنے امیدوار بھی کھڑے کئے جب کہ بعض گروپوں نے انتخابی عمل پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کے رجحان کی صورت یہ تھی کہ بعض ریاستوں اور اضلاع میں وہ کانگریس کے خلاف سخت غصے میں تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ گزشتہ ایک سال کے عرصے میں دہشت گردی سے لڑنے کے نام پر کانگریس کی ریاستی حکومتوں نے مسلم نوجوانوں کے ساتھ انتہائی ظالمانہ سلوک کیا تھا۔ مرکزی حکومت کا رویہ بھی یہی رہا۔ بی جے پی کے مطالبہ سے زیادہ سخت قوانین بنا کر انہیں مسلمانوں پر آزمانا شروع کردیا۔ بعض انتخابی حلقوں میں تو کانگریس سے مسلمانوں کی ناراضی کا عالم یہ تھا کہ انہیں فسطائی پارٹیوں کے امیدواروں کے جیت جانے کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ دوسری طرف مسلم رائے دہندگان بی جے پی کی فسطائیت اور تخریب کاری کے خطرے سے بھی بالعموم باخبر تھے۔ علاوہ ازیں کچھ ریاستوں میں علاقائی پارٹیوں کی کارکردگی سے بھی انہیں اطمینان نہ تھا۔ اس صورت حال نے مسلم رائے دہندگان کے لئے مشکلات پیدا کردی تھیں۔ تاہم بحیثیت مجموعی انہوں نے دوراندیشی کا ثبوت دیا۔ فسطائیت اور تخریب کاری کو بڑا خطرہ تسلیم کرکے ووٹ کا استعمال کیا۔ لہٰذا قدرتی طور پر ان کے ووٹروں کے حقدار کانگریس کے امیدوار ٹھہرے۔ اس کی ایک بڑی مثال ریاست اترپردیش ہے۔ مرکز میں زیادہ قوت کے ساتھ کانگریس کے دوبارہ برسراقتدار آنے میں ایک عامل مسلم ووٹ بھی ہے — اب یہ دیکھا جانا چاہئے کہ اس سیاسی نقشے کے اُبھرنے میں مسلم گروپوں کا رول کہاں تک رہا اور وہ انتخابی نتائج کا کریڈٹ لینے کا دعویٰ کہاں تک کرسکتے ہیں۔ نیز یہ کہ ان تجربات سے آئندہ انتخابات میں کیا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ بعض انتخابی حلقوں میں مسلم گروپوں نے اپنے امیدوار بھی کھڑے کئے تھے۔ ہرچند کہ ان میں بڑی کامیابی نہیں ملی۔ ایک آدھ کے سوا کوئی نہیں جیتا، بلکہ کہیں کہیں یہ بھی ہوا کہ ان کے مسلم ووٹ بٹورلینے کے نتیجہ میں فسطائی پارٹی کے امیدوار جیت گئے تاہم اس سے یہ تجربہ بہرحال ہوگیا کہ مسلم ووٹوں کو مجتمع کیا جاسکتا ہے — سہ روزہ دعوت کے ماہانہ فیچر 'جائزہ' کے اس شمارے میں اسی موضوع سے بحث کی گئی ہے — ایڈیٹر

مسلم تنظیموں نے مسلمانوں کو بیدار کرنے کا کام نہیں کیا

سید شہاب الدین، صدر جے سی ایم او ای، دہلی

اس انتخاب میں مسلمانوں کے سامنے تین مقاصد تھے اول فاشزم کی شکست دوسرے سیکولر حکومت کا قیام اور تیسرے مسلمانوں کی پارلیمنٹ میں نمائندگی، مسلمان پہلے دو مقصد میں تو پورے طور پر کامیاب ہوگئے مگر اپنی نمائندگی کے مسئلے پر پیچھے رہ گئے۔ اگر گزشتہ ۶۲ برس کے دوران ہونے والے انتخابات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران دو چار پارلیمنٹ ایسی رہی ہیں جہاں مسلمانوں کی محرومی کم رہی ہے۔ لیکن عام طور پر محرومی پچاس فیصد رہی ہے اس حساب سے اگر دیکھیں تو ۲۷ اور ۳۱ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے ان کی متناسب نمائندگی ۷۲ ہونی چاہئے میرے خیال میں کمی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلم تنظیموں نے مسلمانوں کو بیدار کرنے کا کام نہیں کیا کیوں کہ ووٹ کی طاقت بہت موثر ہوتی ہے جس کا بہتر استعمال نہیں ہوسکا۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ تمام جماعتوں نے مل کر مسلم ریزرویشن سے متعلق جو کمیٹی JCMOE بنائی تھی اس نے اس پر بہت زور دیا تھا کہ ہر مسلمان جو ووٹر ہے اس کا رجسٹریشن ہو لیکن تمام تر کوششوں کے باوجود مجھے اس بات میں شبہ ہے کہ مسلمانوں کا رجسٹریشن پوری طور پر

ہوسکا۔ رائے دہندگان کے سامنے ایک تیسرا بڑا مسئلہ تھا کہ کسے ووٹ دیں۔ اس سلسلے میں ہم نے تمام بڑی سیکولر پارٹیوں سے مل کر درخواست کی تھی کہ جہاں مسلمان کثیر تعداد میں آباد ہیں اور ان کے جیتنے کے امکانات ہیں وہ سیٹیں تو آپ کی ہیں آپ تمام سیکولر لوگ آپس میں لڑ کر کیوں اپنا نقصان کرتے

سیٹ دیکھی کہ مسلمانوں کی کامیابی کے امکان ہیں ہر کوئی اسلام کے نام پر ایک پارٹی بنا کر میدان میں کود پڑتا ہے زیادہ تر مقامات پر مسلم ووٹ مسلم سیاسی پارٹیوں کی بدولت تقسیم ہوا ہے۔

ہم نے باقاعدہ یہ کہا تھا کہ کس مسلم سیاسی پارٹی کو صرف اس بنیاد پر کہ وہ مسلم

کے ذریعہ سمجھاتی ہیں انہوں نے عقل مندی سے کام نہیں لیا۔ جگہ جگہ مسلم سیاسی جماعتوں کے سیلاب میں بہہ گئے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جماعت اسلامی ہند نے غلط رول اختیار کیا۔ جماعت اسلامی ہند JCMOE کی فاؤنڈر ممبر ہے اور وہ اس کے فیصلے میں شریک تھی کہ ہم کسی ایک سیاسی پارٹی

ہم نے کمیٹی کے ممبران کے صلاح ومشورے سے ایک گائڈ لائن تیار کیا تھا جس کی بنیاد پر ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ہر نشست

کی سطح پر وہاں کے مقامی لوگوں کی مدد سے حلقے کی اطلاعات جمع کریں گے کہ کہاں پر کون امیدوار جیتنے کی پوزیشن میں

ہے اس کی ذمہ داری جمعیت علماء ہند اور جماعت اسلامی ہند کو دی گئی۔ کہ وہ اپنے مقامی حلقوں تک یہ بات پہنچائے اس

پر جمعیت علماء ہند کے صدر مولانا ارشد مدنی نے اتفاق کیا لیکن انہوں نے کہا کہ وقت کی کمی کی وجہ سے اطلاعات حاصل

کرنا مشکل ہے۔ پھر انہی کی تجویز پر یہ طے کیا گیا کہ وقت کی کمی کے باعث موجودہ لائحہ عمل کو اختیار کرنا مشکل ہے۔

ہیں کم از کم ان ۴۵ حلقوں میں جہاں مسلمان کافی مضبوط ہیں وہاں تو ایسا ہوسکتا ہے لیکن کسی نے اس پر توجہ نہیں دی۔ اس کا دوسرا پہلو مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے جہاں کوئی ایسی

پارٹی ہے ووٹ دیں چاہے اس کے جیتنے کے امکان بالکل نہ ہوں درست نہیں ہے یہ ووٹ کی بربادی ہوگی۔ جو مسلم تنظیمیں سیاست میں حصہ نہیں لیتیں لیکن مسلمانوں کو افہام وتفہیم

کی حمایت کا اعلان نہیں کریں گے جو بھی فیصلہ ہوگا سب کو اعتماد میں لے کر کیا جائے گا۔ اچانک یہ معلوم ہوا کہ جماعت اسلامی نے کیرل میں یہ فیصلہ کرلیا کہ لیفٹ فرنٹ کی

حمایت کریں گے جب کہ ہم نے یہ کہا تھا کہ نشست کے اعتبار سے حمایت کریں گے پورے ریاست کے اعتبار سے نہیں فیصلہ کریں گے۔ انہیں ایسا بغیر مشورے کے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرقی یوپی میں کوئی علما پارٹی الیکشن لڑ رہی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہم کسی کو روک نہیں سکتے لیکن جماعت اسلامی کے لیڈران اس تحریک میں کیسے شامل ہوگئے۔ یہ کون سی عقل مندی کی بات ہے کہ جہاں مسلمانوں کا ووٹ فیصد پندرہ سے بیس فیصد کے درمیان ہے اگر وہ سب کے سب ووٹ دے دیں تب بھی آپ کی جیت نہیں ہوسکتی۔ اس طرح ان سیاسی جماعتوں نے دوسرے مسلم امیدواروں کو ہرانے کا کام کیا۔ اس کے علاوہ کچھ مسلم تنظیموں نے اعلان کردیا کہ مسلمان کانگریس کو ووٹ دیں میرے نزدیک یہ ایک احمقانہ بیان تھا ایک تنظیم کے بڑے لیڈر نے کہا کہ ہماری بڑی شکایت ہے کہ ہمارے کہنے پر کانگریس نے ایک بھی ٹکٹ نہیں دیا اب ہم ان سے الیکشن کے بعد اس پر گفتگو کریں گے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ الیکشن کے زمانے میں جو پارٹی آپ کی بات نہیں سنتی ہے وہ حکومت بننے کے بعد کیا سنے گی اس محاذ میں بھی جماعت اسلامی شریک تھی۔

جہاں تک سیکولر سیاسی پارٹیوں کی جانب سے مسلمانوں کو ٹکٹ دینے کی بات ہے

باقی صفحہ ۶ پر

کیا دُعا کیلئے اخفاء بھی ضروری ہے

ڈاکٹر نوشاد علی انچولی

''اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہو اور خدا ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔''
(سورۂ اعراف، ۵۶)

اس آیت میں عربی لفظ خفیہ استعمال ہوا ہے۔ تقریباً تمام اُردو مفسرین نے خفیہ کا ترجمہ ''چپکے چپکے'' کیا ہے۔ کچھ افراد کا ماننا یہ ہے کہ یہ ترجمہ غلط کیا گیا ہے۔ خفیہ کا مطلب ''چپکے چپکے'' نہیں بلکہ اس کا صحیح مطلب ''چھپ چھپ کر'' ہونا چاہئے۔ اس طرح اس آیت کا مفہوم وہ لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ اپنے رب کو عاجزی اور انکساری کے ساتھ روتے گڑگڑاتے ہوئے، چھپ چھپ کر پکارو۔ ان لوگوں کے نزدیک دعا کا اگر کسی طرح بھی اظہار کیا جائے گا تو وہ عمل خفیہ کے خلاف ہوگا۔ اس آیت کی رو سے یہ فعل اللہ کے نزدیک حد سے گزرنا اور زمین میں فتنہ وفساد پھیلانا ہے۔ اسی لئے یہ لوگ ہاتھ پھیلا کر دعا مانگنے کو بھی قرآن کے حکم کے خلاف مانتے ہیں۔

اگر لوگوں کا ذہن یہ بن جائے کہ اسلام کے دوراوّل سے لے کر آج تک جو بھی بزرگان دین گزرے ہیں ان کی بڑی اکثریت دین کے تعلق سے غیر مخلص تھی یا ان کا ایمان اتنا کمزور تھا کہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے، جانتے سمجھتے ہوئے بھی، انہیں قرآن کے ترجمے میں تبدیلی کرنے سے گریز نہیں تھا۔ حتیٰ کہ چند مفسرین تک ہی یہ بات محدود نہیں ہے بلکہ تمام ہی مفسرین نعوذ باللہ اسی منافقت کا شکار رہے ہوں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عام مسلمانوں کا دین پر ہی سے اعتماد اُٹھ جائے گا۔ بنی اسرائیل کی طرح ہمارے یہاں بھی دین میں خوب بگاڑ پیدا کیا گیا ہے۔ دین کو اس حد تک نقصان پہنچایا گیا ہے کہ عوام الناس کے یہاں دین اسلام کا تصور ہی بدل کر رہ گیا ہے۔ لوگ کفر وشرک میں مبتلاء ہوتے ہیں اور اسے دین کا اہم کام اور کار ثواب سمجھ کر کر رہے ہوتے ہیں۔ ان خرابیوں کی اصلاح کرنا بھی فرض اور ذمہ داری ہے۔ لیکن اصلاح کا طریقہ کار بھی قرآن وسنت سے ماخوذ ہونا چاہئے۔ اگر ہر شخص اپنی عقل اور پسند کے مطابق اصلاح کی کوشش کرے گا تو یہ خود ایک بہت بڑا فساد ہوگا۔ بنیادی باتوں کو چھوڑ کر کم اہم یا غیر اہم باتوں میں عوام کو اُلجھانا، دین کی خدمت کرنا تو نہیں کہا جائے گا۔ خیال کرنا چاہئے کہ یہ کہیں شیطان کا فتنہ تو نہیں ہے جو ہماری توجہ اہم ترین مسائل سے ہٹا کر بیکار اور فروعی اور لغو مسائل میں الجھا دینا چاہتا ہے۔ شیطان یہ مکاری تو نہیں کر رہا ہے کہ اصلاح کے بجائے لوگوں کے درمیان بحث ومباحثہ کی جنگ ہوتی رہے اور قوم کے سنجیدہ، سمجھدار اور باشعور افراد دین کی خدمت کرنے کے بجائے دماغی کشتی کرنے میں مصروف ہو جائیں۔ شرک کی تردید اور توحید کی تائید و وضاحت جس قدر ہمت وجرأت اور دلائل کے ساتھ بعض لوگوں کے یہاں پائی جاتی ہے۔ دیگر تمام مسلم گروہ اور جماعتیں اس معاملے میں ان سے بہت پیچھے ہیں۔ ان کے یہاں بعض مسائل کو اس قدر اہمیت دی جارہی ہے کہ ان کے مشن کی سمت ہی بدل کر رہ گئی ہے۔ کل تک جو لوگ شرک کی تردید اور توحید کے تصور کو واضح کرنے جیسے اہم ترین کام میں لگے ہوئے تھے۔ اب وہ عموماً اسی طرح کی غیر اہم باتوں کی تبلیغ میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اگر ان سے کہا جاتا ہے کہ اس طرح کی غیر اہم باتوں میں عوام کو الجھانا مناسب نہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ کی بات بھی غیر اہم ہوسکتی ہے۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ حدیث کے مطابق کہتے ہیں اس لئے ہماری بات کو غیر اہم کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انہیں کون سمجھائے کہ اگر خود اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک ہی وہ بات دوسری بنیادی باتوں کے مقابلے میں کم اہم ہو تو کیا کہیں گے؟ جس طرح جسم کی ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کی اپنی ایک اہمیت ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسولؐ کی ہر چھوٹی سے چھوٹی بات اہم ہوتی ہے۔ لیکن دل، دماغ پھیپھڑوں اور گردوں جیسے اعضائے رئیسہ کے مقابلے دانتوں کی اہمیت کم ہوتی ہے۔ اگر کسی انسان کا پورا جبڑا بھی نکال کر پھینک دیا جائے تو بیشک اسے پریشانی تو ضرور ہوگی لیکن وہ انسان مر نہیں جائے گا۔ لیکن دل، جگر، پھیپھڑوں یا گردوں میں سے کوئی ایک بھی کام کرنا بند کردے۔ تو انسان کی موت واقع ہوجائے گی۔ ہر شخص جو بھی نئی بات پیش کرتا ہے وہ اسی انداز سے، اسے اپنا مقصد حیات بنالیتا ہے کہ جیسے دین کا تمام تر انحصار اسی بات پر ہے۔ ہوسکتا ہے آپ کی بات صحیح ہو لیکن تب بھی اس طرح کی بحثیں عوام الناس کے درمیان اٹھانا مناسب نہیں ہوگا۔ آپ اگر علمی کام کرنا ہی چاہتے ہیں تو شوق سے کیجئے لیکن علمی بحثیں عالموں کے درمیان ہوا کرتی ہیں۔ اس طرح کی باتیں جب عوام کے درمیان کی جاتی ہیں تو بگاڑ اور خرابی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا کرتا۔ دعا کے تعلق سے وہ لوگ جو کچھ بھی کہتے ہیں اس کا تمام تر انحصار آیت کے صرف ایک لفظ ''خفیہ'' پر ہے۔ اپنی بات کے ثبوت میں وہ نہ تو قرآن کی کوئی دوسری آیت پیش کرتے ہیں۔ نہ کسی حدیث کے ذریعہ اپنی بات کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ نہ عمل صحابہؓ کی بات کی جاتی ہے، نہ تابعین، تبع تابعین اور دوراوّل کے ائمہ دین میں سے کسی کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ نہ امت کے عمل متواتر کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت ہے۔ سارا زور اس بات پر ہے کہ اگر کوئی بات قرآن کے خلاف جاتی ہے تو اب کسی بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لیکن وہ اس مسلمہ اصول کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ قرآن فہمی کے بھی کچھ اصول ہوا کرتے ہیں۔ صرف ایک لفظ کو لے کر اپنے مطلب کے معنی اور مفہوم نکال لینا قرآن فہمی نہیں بلکہ قرآن کے ساتھ مذاق کرنا ہے، کسی بھی آیت کے معانی ومفہوم کو جاننے اور سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس سورہ کا پس منظر، کس سلسلۂ بیان میں وہ بات کہی گئی ہے۔ نیز قرآن کی دوسری آیات اور احادیث کے ذریعہ اس آیت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے صحابہ کرامؓ نے اس کا کیا مفہوم سمجھا تھا۔ تبع تابعین، دوراوّل کے مفسرین قرآن اور دوسرے بزرگان دین اس کا کیا مفہوم بیان کرتے ہیں جیسی باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے، طلب ہدایت کے لئے اگر کوئی شخص قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرے گا تو امید کی جاتی ہے کہ صحیح نتیجہ اخذ کر سکے گا۔ اور اگر کوئی شخص خالص اپنی عقل کی بنیاد پر قرآن کو سمجھنا چاہتا ہے تو قرآن ایسے شخص کی کوئی رہنمائی نہیں کرتا۔ اس طرح زیر بحث آیت کا اگر یہ مفہوم لیا جائے کہ یہاں مسلمانوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ وہ چھپ چھپ کر دعا کیا کریں، دعا میں کسی طرح کا اظہار بھی ان کے لئے جائز نہیں ہے تو سب سے پہلے قرآن کی دوسری آیات کے معنی ومفہوم بدلنے ہوں گے کہ وہ اس مفہوم سے میل نہیں کھاتے۔ اس کے بعد بہت سی احادیث کو جھٹلانا ہوگا۔ پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ زیر بحث آیت کا مفہوم تمام صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔ اگر یہ سائنس کا کوئی مسئلہ ہوتا تو بھی خیال کیا جاسکتا تھا کہ اس طرح کے علوم میں اس وقت انسان کا علم بہت محدود تھا اس لئے وہ پوری بات کو نہیں پاسکے۔ دعا ایک عبادت ہے جو اللہ اور اس کے بندے کے تعلق کو ظاہر کرتی ہے۔ نعوذ باللہ اگر تمام صحابہ کرامؓ مل کر بھی اس بنیادی بات کو نہیں سمجھ پائے تھے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وہ دین کو ہی نہیں سمجھ پائے تھے۔ دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کا رسولؐ (نعوذ باللہ) ہی اپنی بات سمجھانے میں ناکام رہا تھا۔ قرآن کی دوسری آیات سے بھی اگر ہمیں کوئی رہنمائی نہ مل رہی ہو تب بھی احادیث، عمل صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین امت کا عمل متواتر کو رد کرنے اور دوراوّل سے لے کر آج تک تمام علماء دین اور مفسرین کو منافقت زدہ قرار دینے کی بجائے ہمارے حق میں یہی بہتر ہوگا کہ یہ خیال کریں کہ آیت کو سمجھنے میں ہم سے کوئی چوک ہو رہی ہے یا پھر آیت کا وہ مفہوم اختیار کریں جو قرآن وحدیث، صحابہ کرام امت کے متواتر عمل سے بھی میل کھاتا ہو اور آیت کے الفاظ میں اس کی گنجائش بھی پائی جاتی ہو۔

قرآن اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ سب سے پہلے نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے جسے تین فرض نمازوں میں جماعت کے ساتھ بآواز بلند پڑھا جاتا ہے۔ یہ وہ اہم ترین دعا ہے جو خدا نے خود ہمیں سکھائی ہے، جسے ''ام القرآن'' بھی کہا گیا ہے۔ اب اگر بذات خود دعا کا اظہار ہی فساد کا سبب ہوتا ہے تو یہ قرآن میں تضاد ہی کہلائے گا۔ ایک طرف تو ہمیں دعا کا یہ طریقہ بتایا جاتا ہے کہ اپنے امام کی رہنمائی میں، اجتماعی طور پر سب مل کر بآواز بلند اللہ سے دعا کیا کرو۔ ایک بار نہیں ہر دن تین نمازوں میں ایسا کرنا ہے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اذان کے ذریعہ اس دعا میں شریک ہونے کے لئے بلایا بھی جاتا ہے تاکہ کوئی شخص اس دعا سے محروم نہ رہ جائے پھر خود دعا کے اظہار کو اتنا سنگین جرم قرار دیا جاتا کہ ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا بھی فساد کا سبب بن جاتا ہے۔ اس بات کو یہ کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ یہاں خدا نے خود ہی ایسا کرنے کے لئے کہا ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے بلکہ دلائل کے ساتھ اس کی وضاحت بھی ہونی چاہئے کہ اس تضاد کو کس طرح دور کریں گے۔

دعا کے تعلق سے قرآن وحدیث کے ذریعہ یہ بات سامنے آتی ہے کہ دعا ایک ایسا عمل ہے جو ہر مومن کو چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، جب بھی موقع ملے ہر وقت کرتے چاہئے، دعا کرنا بذات خود کوئی جرم نہیں ہے کہ اسے دوسروں سے چھپانے کی ضرورت ہو، قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ تعمیر کعبہ کا کام بھی چل رہا ہے اور خدا کے سامنے اپنی التجائیں بھی پیش کی جارہی ہیں۔

''اور یاد کرو ابراہیمؑ اور اسماعیل جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے۔'' (سورۂ بقرہ ۱۲۷)

آخرت میں خدا، مومن بندوں کا مذاق اڑانے والے کافروں کو یہ کہہ کر معاف کرنے سے انکار کردے گا کہ جب میرے بندے مجھ سے رحمت کی دعائیں کیا کرتے تھے تو تم ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ چنانچہ سورۃ المومنون: ۱۱۰ میں ارشاد ہے ''تم وہی لوگ تو ہو کہ میرے کچھ بندے جب کہتے تھے کہ اے پروردگار، ہم ایمان لائے، ہمیں معاف کردے، ہم پر رحم کر، تو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے، تو تم نے انکار مذاق بنالیا۔''

اگر دعا کا اظہار ہی فتنہ وفساد کا سبب ہوتا ہے تو خدا کو اپنے مومن بندوں کی گرفت کرنی چاہئے تھی کہ تم فتنہ پھیلاتے ہو۔ تم اس طرح دعائیں مانگتے ہی کیوں ہو جو دوسروں پر ظاہر ہوجاتی ہے اور دوسرے لوگ تمہارا مذاق بنالیتے ہیں۔ لیکن یہاں تو مومن بندوں کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا اظہار کرتے ہوئے مذاق بنانے والوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آئے تو ان کا انجام کیا ہوگا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور دوسرے برگزیدہ بندوں کی نمایاں خصوصیات میں یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اپنے رب کے حضور دعائیں کیا کرتے ہیں۔ ''وہ ہم کو رغبت اور خوف سے پکارتے ہیں۔'' (انبیاء: ۹۰)

یہاں دعا کی خصوصیات میں صرف دو باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ خفیہ کی کوئی بات نہیں کی گئی ہے۔ اسی طرح سورۂ مومن-۶۰ میں ارشاد ہوتا ہے: ''مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔''

یہاں بھی یہ نہیں فرمایا گیا کہ مجھے خفیہ طریقہ سے پکارا کرو بلکہ خدا کی طرف سے ایک اعلان عام ہے کہ جب بھی، جیسے بھی، جہاں بھی مجھے پکارو گے میں ہر وقت تمہارے قریب ہوں۔ اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں کئی انبیاء کی دعائیں نقل کی گئی ہیں۔ ساتھ ہی اور بھی بہت سی دعائیں قرآن کریم میں موجود ہیں لیکن کہیں بھی کوئی ایسا اشارہ تک نہیں پایا جاتا جس سے دعاؤں میں اخفاء کا کوئی پہلو نکلتا ہو آخر کہیں تو خدا کو اس کا اظہار کرنا چاہئے تھا کہ تمام انبیاء خفیہ طریقہ پر ہی دعائیں کیا کرتے تھے۔ تمہارے لئے بھی انبیاء کی پیروی کا صحیح طریقہ یہی ہوگا کہ تم بھی دعاؤں میں اخفاء ضرور کیا کرو۔

قرآن کے بعد سنت رسولؐ کی طرف رُخ کرتے ہیں اس سلسلے میں بھی خود حضور اکرمؐ نے اپنی امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے خاص بات یہ ہے کہ پورے ذخیرۂ احادیث میں کہیں بھی ایسی کوئی بات نہیں ملے گی جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ دعا میں آپؐ کے نزدیک اخفاء بھی ضروری تھا اور یہ بات امت کے درمیان مسلمہ اصول کی حیثیت سے تسلیم شدہ ہے کہ اللہ کے رسول نے جس کام کو کرنے کے لئے نہیں کہا ہے اس کی ہمارے نزدیک کوئی دینی اہمیت نہیں ہوگی۔ اب اگر دین میں کوئی نئی بات شروع کی جاتی ہے تو وہ بدعت کہلائے گی۔ جن باتوں کے تعلق سے ہم آزاد کردیے گئے ہیں اس سلسلے میں اگر اپنے اوپر پابندی لگاتے ہیں تو یہ بنی اسرائیل والی حماقت کہلائے گی جو خود ہی حلال کو حرام کر کے خود کو مشکلات میں ڈالتے چلے گئے۔ اس کے برعکس آپؐ کے عمل میں ایسی بہت شہادتیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اخفاء کے برخلاف، ظاہر طور پر دعائیں مانگی ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہ سے کئی روایات مروی ہیں۔ جن میں وہ صرف اتنا ہی بیان نہیں کرتی ہیں کہ فلاں رات یا فلاں موقع پر آپؐ نے دعا کی تھی۔ بلکہ یہ بھی بتاتی ہیں کہ دعا میں آپؐ کیا مانگ رہے تھے۔ اسی طرح اور بھی بہت سی روایات پائی جاتی ہیں جن میں اللہ کے رسولؐ کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ فلاں موقع پر آپ نے یہ دعا مانگی تھی۔ یہ اسی وقت تو ممکن تھا جب دوسرے افراد آپؐ کی دعاؤں کو سن رہے ہوتے تھے اور آپؐ کے یہاں اخفاء کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ کچھ خاص موقعوں پر آپؐ نے جو دعائیں مانگی ہیں وہ بھی روایتوں میں موجود ہیں۔ جنگ احد کے موقع پر آپؐ نے جو دعا کی تھی وہ احادیث میں پائی جاتی ہے۔ نماز استسقاء اور عیدین کی دعائیں بھی روایات میں موجود ہیں۔ جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھا جاتا ہے اس میں بھی اللہ سے دعائیں کی جاتی ہیں۔ ہم اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ہم خود اپنی برائی اور اپنے برے اعمال سے اس کی پناہ چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن عظیم کو ہمارے لئے بابرکت بنائے، اور میں تمام مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ ایک دوسرے کو سلام کرنے کا جو طریقہ ہمیں سکھایا گیا ہے اور جس پر آج بھی پورے عالم اسلام میں عمل کیا جاتا ہے وہ بھی حقیقت میں ایک دعا ہی ہے۔ جو خود حضور اکرمؐ کا سکھایا ہوا طریقہ ہے۔ آخر کس کس روایت اور سنت رسول کو یہ کہہ کر رد کیا جائے گا کہ یہ سب قرآن کے حکم کے خلاف ہے۔ آپؐ نے اپنی امت کو بیشمار دعائیں سکھائی ہیں۔ صبح ہونے پر یہ دعا پڑھو، شام ہونے پر، سوتے وقت، بیدار ہونے پر، خواب سنانے پر، بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت، وضو کرنے کے بعد، مسجد میں داخل ہوتے وقت، مسجد سے باہر نکلتے وقت، گھر سے نکلنے پر، بیمار کی عیادت پر، وفات کے موقع پر، میت کو قبر میں اُتارتے وقت، قبر پر مٹی ڈالتے وقت، کسی کو الوداع کرتے وقت، سفر پر روانہ ہوتے وقت، قربانی کی دعا، عقیقہ کی دعا، نماز جنازہ جو امام کی امامت میں پڑھی جاتی ہے۔ غرض یہ کہ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جہاں اللہ کے رسولؐ نے ہمیں دعا مانگنے کی تلقین نہ کی ہو اور اس کی دعا نہ بتائی ہو۔ دعا اللہ کے نزدیک ایک ایسا پسندیدہ عمل ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ بندہ ہر وقت اس سے دعا کرتا رہے اور وہ ہر وقت اس پر اپنی رحمتوں کا نزول فرماتا رہے۔ اللہ کے رسولؐ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ دعا کی قبولیت کے اوقات کون کون سے ہوتے ہیں۔ سجدے کی حالت میں، لیلۃ القدر میں، کعبۃ اللہ پر نظر پڑتے وقت، روزے کی حالت میں، فرض نمازوں کے بعد۔ راہ خدا میں جنگ کرتے وقت وغیرہ۔ دعا کے آداب بتاتے ہوئے یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کن لوگوں کی دعا قبول نہیں کی جاتی۔ آپؐ کا فرمان ہے:

''اللہ تعالیٰ غافل اور بے حضور دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔'' (ترمذی)

یہاں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ جب دعا کا اظہار کیا جائے گا تب کوئی دعا قبول نہیں کی جائے گی بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کے حکم کی طرف سے غفلت برتتے ہیں اور بے دلی کے ساتھ جو دعا کی جاتی ہے وہ قبول نہیں کی جاتی۔ ایک دوسری حدیث میں ہے۔

''(ایک شخص) پراگندہ حال اور غبار آلود ہے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے۔ اے رب! مگر اس کی خوراک حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے، حرام کی غذا سے نشو ونما پارہا ہے، بھلا ایسے شخص کی دعا کیوں کر سنی جائے گی۔'' (مسلم)

غور کیجئے، اللہ کا رسولؐ ہر وقت اور ہر قدم پر دعائیں تو بتاتا ہے۔ یہ بھی بتاتا ہے کہ دعا مانگنے کے آداب کیا ہیں۔ کن لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور کن لوگوں کی دعا رد کردی جاتی ہے۔ غرض یہ کہ دعا کے تعلق سے ہر چھوٹی بڑی بات کی وضاحت کی جاتی ہے لیکن اتنی اہم بات جو دنیا میں فساد کا سبب بنتی ہو اس کا کوئی ذکر نہیں کیا جاتا۔ کیا یہ سمجھا جائے کہ نعوذ باللہ، اللہ کے رسولؐ سے بھول ہوگئی یا یہ مان لیا جائے کہ تمام راویوں نے کوئی سازش کی ہے کہ اخفاء کا کوئی ذکر نہیں کیا جائے گا۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے۔

''ایک مرتبہ رسول اللہؐ نے بسم اللہ کہہ کر رکاب میں پاؤں رکھا پھر سوار ہونے کے بعد فرمایا، الحمد لله، سبحان الذی سخرنا هذا... پھر تین مرتبہ الحمد للہ اور تین مرتبہ اللہ اکبر کہا، پھر فرمایا سبحانک، لا اله الا انت قد ظلمت نفسی فاغفرلی، اس کے بعد آپ ہنس دیئے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ ہنسے کس بات پر؟ فرمایا بندہ جب رب اغفرلی کہتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس کی یہ بات بڑی پسند آتی ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا مغفرت کرنے والا کوئی اور نہیں ہے۔'' (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسولؐ جو دعا پڑھ رہے تھے۔ حضرت علیؓ بھی اسے سن رہے تھے۔ کہیں کوئی اخفاء کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ دعا کے تعلق سے یہ بات بھی ہمارے ذہن میں رہنی چاہئے کہ جتنی دعائیں بھی روایات میں آتی ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے اللہ کے رسول کو یہ تمام دعائیں مانگتے ہوئے دیکھا اور سنا تھا۔ اللہ کے رسولؐ کو معلوم تھا کہ میری امت کے تمام افراد قیامت تک کے لئے میرے عمل کی پیروی کے پابند بنادیے گئے ہیں۔ اگر اللہ کے رسولؐ دعا میں اخفاء کی بھی ضرورت سمجھتے تو یقیناً اس کی وضاحت بھی ضرور کی جاتی۔ اب اگر اللہ کے رسولؐ ہی دعا میں کسی اخفاء کی ضرورت نہیں بتارہے ہیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ ہمارے لئے بھی دعا میں کسی اخفاء کی ضروری نہیں ہے۔

قرآن وحدیث کے بعد صحابہ کرامؓ کا عمل بھی ہمارے سامنے ہے۔ ابن جریر نے حضرت حسینؓ سے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ ایک صاحب مجلز بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں جانور پر سوار ہوا میں نے آیت سبحان الذی سخرلنا... پڑھی۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا کیا اس طرح کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ میں نے عرض کیا پھر کیا کہوں؟ فرمایا یوں کہو کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دی۔ شکر ہے اس کا کہ اس نے محمدؐ کو بھیج کر ہم پر احسان فرمایا، شکر ہے اس کا کہ اس نے ہمیں اس بہترین امت میں داخل کیا جو خلق خدا کے لئے نکالی گئی ہے۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس وقت مجلز دعا پڑھ رہے تھے حضرت حسینؓ بھی اسے سن رہے تھے۔ حضرت حسینؓ جہاں ضرورت محسوس کرتے ہیں اصلاح کر دیتے ہیں لیکن اخفاء کے تعلق سے کوئی بات نہیں کہتے، حضرت عمرؓ کے تعلق سے ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ ''ایک مرتبہ قحط کے موقع پر حضرت عمرؓ بارش کی دعا کرنے کے لئے نکلے اور صرف استغفار پر اکتفاء فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا امیرالمومنین آپ نے بارش کے لئے تو دعا کی ہی نہیں۔ فرمایا میں نے آسمان کے ان دروازوں کو کھٹکھٹادیا ہے جہاں سے بارش نازل ہوتی ہے اور پھر سورۂ نوح کی آیات لوگوں کو پڑھ کر سنائیں۔ (ابن جریر، ابن کثیر)

اس طرح حضرت عمرؓ کا عمل بھی یہی بتاتا ہے کہ وہ بھی دعا میں اخفاء کا اہتمام نہیں کیا کرتے تھے۔ ورنہ لوگوں کو کیسے معلوم ہوتا کہ آپ نے صرف استغفار پر ہی اکتفاء فرمایا ہے۔

اب سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ اس سورۃ کا پس منظر کیا ہے۔ صاحب تفہیم القرآن کی تحقیق کے مطابق سورۂ انعام اور سورہ اعراف دونوں ایک ہی دور کی نازل شدہ معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی یہ سورۃ مکی دور کے آخری زمانے میں نازل ہوئی ہوگی۔ اس سورۃ کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اس میں شرک کا ابطال اور توحید کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ ابتداء سے رکوع تک پوری سورہ کو پڑھئے شرک کی تردید، توحید کے دلائل اور آخرت کی بات چل رہی ہے اور آگے بھی یہی سلسلۂ کلام جاری رہتا ہے۔ سورہ ساتویں رکوع میں یہ آیت آتی ہے یہ رکوع اس طرح شروع ہوتا ہے۔

''درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر اپنے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا۔ جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔ جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کئے۔ سب اس کے فرمان کے تابع ہیں۔ خبردار رہو! اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔ بڑا بابرکت ہے اللہ، سارے جہانوں کا مالک وپروردگار، اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہوچکی ہے اور خدا ہی کو پکارو، خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔'' زیر بحث آیت کا خطاب مشرکین مکہ کی طرف ہے۔ جن کا جرم یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی دعاؤں میں ہاتھ اٹھا اٹھا کر، اخفاء کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔

باقی صفحہ ۵ پر

بنی اسرائیل کی طرح ہمارے یہاں بھی دین میں خوب بگاڑ پیدا کیا گیا ہے۔ دین کو اس حد تک نقصان پہنچایا گیا ہے کہ عوام الناس کے یہاں دین اسلام کا تصور ہی بدل کر رہ گیا ہے۔ لوگ کفر وشرک میں مبتلاء ہوتے ہیں اور اسے دین کا اہم کام اور کار ثواب سمجھ کر کر رہے ہوتے ہیں۔ ان خرابیوں کی اصلاح کرنا بھی فرض اور ذمہ داری ہے۔ لیکن اصلاح کا طریقہ کار بھی قرآن وسنت سے ماخوذ ہونا چاہئے۔

انبیاء ہمیشہ سے اصلاح کا کام کرتے رہے ہیں لیکن بعد میں انسان اس درست نظام کو اپنی حماقتوں اور جہالت کے سبب، شرک میں مبتلا ہوکر، بگاڑ پیدا کرتا رہا ہے۔ کسی درست نظام کو بگاڑ کر زمین میں فساد برپا نہ کرو اور خدا ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ یعنی تمہیں اسی سے ڈرنا چاہئے اور تمہاری تمام امیدیں اسی سے وابستہ ہونی چاہیں۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ کی رحمت یقیناً نیک کردار لوگوں کے قریب ہے۔

رفیقۂ حیات کا انتخاب کیسے کریں؟

محمد سیف اللہ کوٹہ (راجستھان)

قرآن حکیم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے ''تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کردو۔ اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کردے گا۔
(سورۃ النور: ۳۲)

ایک اور جگہ فرمایا: ''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔'' (سورۃ الروم: ۲۱)

اسلام میں جنسی خواہش کی تکمیل کو شجر ممنوعہ قرار نہیں دیا گیا ہے بلکہ اس کی ترغیب دی ہے اور نکاح کا حکم دیا ہے۔

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو اپنے بچوں کی شادی میں تاخیر کرتے ہیں خبردار کیا ہے اور اس کی وجہ سے ہونے والے نقصانات اور انجام سے بھی آگاہ کیا ہے۔ نبیؐ نے فرمایا: جس کا بچہ ہوا اس نے اس کا اچھا نام رکھا اور اس کو ادب سکھایا پھر جب وہ بلوغت کو پہنچ جائے تو اس کی شادی کردے۔ اگر بالغ ہونے کے بعد شادی نہ کی گئی اور اس سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا تو اس کا وبال اس کے باپ پر ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

قرآن وحدیث سے معلوم ہوا کہ جب بھی شادی کی عمر ہوجائے اور مناسب رشتہ مل جائے تو شادی میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ تجرد کی زندگی مفاسد اور بگاڑ کا دروازہ کھولتی ہے، اس لئے اسلام نے ایسی زندگی کو پسند نہیں کیا ہے۔ اس کا حکم ہے کہ ہر بے نکاح کا نکاح کرادیا جائے اور اس کام کی ذمہ داری وہ فرد بھی محسوس کرے جو بے نکاح ہے خواہ کنوارا ہو یا شادی کے بعد کسی وجہ سے بیوی سے محروم ہو، اور سماج بھی اس کی ذمہ داری لے کہ اس کا کوئی فرد بے نکاح نہ رہے۔

دوسرے یہ کہ شادی کے لئے اعلیٰ تعلیم، معیاری ملازمت، عمدہ رہائش اور آسائش وسہولت کی فراوانی ضروری نہیں ہے۔ یہ چیزیں انسان کو مطلوب ہوسکتی ہیں، لیکن شادی کو ان چیزوں پر موقوف رکھنے کا رجحان نہ تو صحت مند ہے اور نہ اسلام میں پسندیدہ۔ شادی تو ایک سماجی ضرورت اور ایک گونہ عبادت ہے، اس کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ انسان صحت مند ہو اور کفایت شعاری کے ساتھ اخراجات پورے کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ بلکہ قرآن مجید نے تو یہاں تک فرمادیا کہ شادی کرنے کے بعد اگر انہیں تنگ دستی کا ڈر ہو تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کردے گا۔

انتخاب کیسے کریں؟

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے یہاں کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین واخلاق سے تم مطمئن اور خوش ہو تو اس سے شادی کردو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں زبردست فتنہ پھیل جائے گا۔ (ترمذی) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: نکاح کے لئے عورت کی چار چیزیں دیکھی جاتی ہیں۔ (۱) مال ودولت (۲) خاندانی شرافت (۳) حسن وجمال (۴) دین واخلاق۔

تو تم دین دار عورت کو حاصل کرو تمہارا بھلا ہو۔ (بخاری، مسلم)

معلوم ہوا کہ شوہر اور بیوی کے انتخاب میں اصل چیز دین واخلاق ہے نہ کہ ذات برادری، مال ودولت، خوبصورتی وغیرہ لیکن افسوس کی بات ہے کہ آج وہ لوگ بھی جو اپنے آپ کو اقامت دین کی تحریک سے وابستہ کہتے ہیں رشتہ کے انتخاب میں خاندان اور برادری کو اہمیت دیتے ہیں۔ جب کہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ ہم ایک اعلیٰ مقصد کو جو کہ ہماری زندگی کا اوّلین مقصد ہے لے کر اٹھنے والی تحریک کے ساتھی آپس میں رشتوں کو مضبوط کرتے تاکہ اس تحریک کے مشن کو مضبوطی ملتی اور ہمیں آپس میں حوصلہ ملتا اور ہمارے گھر کا ہر فرد اس کام میں ہمارا مددگار ہوتا۔ ہم حوصلے کے ساتھ اپنی پوری زندگی اس پاکیزہ مشن میں لگا کر اللہ کی خوشنودی حاصل کریں تاکہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا کی فلاح وسعادت اور حسنہ کے ساتھ آخرت کی نجات وکامیابی اور حسنہ بھی عطا فرمائے۔

●●

غیر سیاسی مسلم تنظیموں نے مسلمانوں کو گمراہ کیا

ڈاکٹر مسعود احمد، صدر نیشنل لوک ہند پارٹی یوپی

ہم گزشتہ پندرہ برس سے یہ کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمان سیاسی طور پر اپنے پیروں پر کھڑے ہوں الیکشن سے قبل ہر مسلمان یہ کہتا نظر آ رہا تھا کہ مسلمانوں کا اپنا لیڈر ہو لیکن جب الیکشن آیا تو نتیجہ ہم سب کے سامنے ہے۔ اگر کچھ لوگ پارٹی بنا کر قیادت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن کا مقصد صرف مخالفت کرنا ہوتا ہے انہیں لگتا ہے کہ اگر مسلمانوں میں کوئی قیادت پیدا ہوگئی تو ہمارا کیا ہوگا۔ اکثر الیکشن کے وقت مسلمان افراتفری کا شکار ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں بہت سارے لوگ مسلمانوں کے مسیحا بن کر نکلتے ہیں جو مسلمانوں کو کمزور کرنے کا کام کرتے ہیں اور پورے پانچ سال ان لوگوں کا پتہ نہیں ہوتا۔ جب مسلمانوں کے خلاف ظلم وزیادتی ہوتی ہے اس وقت ہم آگے بڑھ کر لڑائی لڑتے ہیں وہ لوگ جو الیکشن کے موقع پر ظاہر ہوتے ہیں انہیں مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے بدلے عہدہ یا کچھ رقم مل جاتی ہے اور یہی لوگ مسلمانوں کو آر ایس ایس کا خوف دکھا کر استحصال کرتے ہیں۔ میرے نزدیک آر ایس ایس جتنا خطاوار ہے اس کا خوف پیدا کرنے والے لوگ بھی اتنا ہی ذمہ دار ہیں۔ آخر یہ لوگ اقتدار میں رہ کر آر ایس ایس کے خلاف کوئی کارروائی کیوں نہیں کرتے؟ دراصل اس الیکشن میں حالات کچھ اس طرح تبدیل ہوئے کہ ملائم سنگھ کے ساتھ کلیان سنگھ آ گئے جس کی وجہ سے مسلم عوام کی ناراضگی نے کانگریس کو نواز دیا۔ ہم نے یوپی سمیت دیگر ریاستوں میں ۲۵ اُمیدوار کھڑے کئے تھے لیکن اس بار ہمارا پرفارمینس گزشتہ کے مقابلے بہتر نہیں رہا۔

اس بار کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ مسلمان راتوں رات کانگریس میں کیسے چلا گیا؟ مجھے لگتا ہے کہ امریکی لابی نے تیسرے مورچے کو روکنے کے لئے کام کیا ہے۔ مسلمانوں کو یہ تو یاد رہا کہ بابری مسجد کو کلیان سنگھ نے شہید کرایا تھا لیکن وہ اس حقیقت کو بھول گئے کہ مسجد میں مورتی کانگریس نے ہی رکھوایا تھا۔ مسلمانوں کو یہ بھی یاد نہیں کہ جب بابری مسجد شہید ہوگئی اور کلیان سنگھ کی سرکار برخاست ہوگئی تو اس کے بعد اس مقام پر تعمیری کام ہوا اور باقاعدہ مندر کی شکل دی گئی یہ بھی کانگریس کی مرکزی حکومت کی نگرانی میں ہوا۔ اس وقت ملک کا مسلمان افراتفری کا شکار ہے۔ حال ہی میں کچھ مسلم سیاسی پارٹیوں کا قیام سازش کے تحت کرا گیا ہے اور انہیں موٹی رقم دے کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

ہم چودہ سال سے میدان میں کام کر رہے ہیں اس وقت یہی لوگ جو آج پارٹی بنا کر میدان میں ہماری مخالفت کر رہے تھے تو آخر یکایک یہ لوگ مسلمانوں کے ہمدرد کیسے ہوگئے۔ ان تمام چیزوں کے بارے میں اخبارات میں بھی خبریں شائع ہوئی ہیں۔ لیکن ہمارے بارے میں تو آج تک کسی اخبار میں یہ بات نہیں شائع ہوئی۔ کسی کامیابی کی امید تبھی کی جاسکتی ہے جب سب کا تعاون حاصل ہوگا۔ ہمارے اور ارشد خاں کے درمیان کے تنازعہ نے ہمیں بے حد نقصان پہنچایا ہے اس سے انکار نہیں۔ ہماری حکمت عملی یہ تھی کہ ہم لوگوں میں قربانی دینے کا جذبہ پیدا کر رہے تھے اور آج حالت یہ ہے کہ یہ نئی پارٹیاں لوگوں کو روپیہ دے کر ریلیوں میں لے جاتی ہیں یہ مستقبل کے لئے بہت نقصان دہ ثابت ہوگا۔ اب ہمارے سامنے ایک ہی چارہ ہے قوم ساتھ دے گی تو کام کریں گے ورنہ بیٹھ جائیں گے۔

(گفتگو پر مبنی)

مسلکی انتشار کو ختم کرنے کی ضرورت ہے

سی ایم ابراہیم، سابق مرکزی وزیر داخلہ

میرے خیال میں ہندوستان میں مسلم سیاسی پارٹی کے تجربہ کی ناکامی کی اصل وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو مسلم لیڈر شپ پر اعتبار نہیں ہے۔ مسلمان اس وقت مسائل سے زیادہ مسلک میں تقسیم ہیں اور اپنے موقف سے کوئی سمجھوتہ کو تیار نہیں ہے۔ اس لئے مسلمان ہوگیا۔ جواہر لعل نہرو، ملائم سنگھ اور مایاوتی کے پیچھے تو جانا گوارہ کر لیتا ہے لیکن ایک مسلک کا مسلمان دوسرے مسلک کے مسلمان کو اپنا لیڈر تسلیم نہیں کرتا۔ میرے نزدیک اس وقت ملک کے مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ مسلک کا ہے۔ مسلم علماء کے ضدی رویے نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ اس کی تازہ مثال ہے کیا بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کو اس میں مناسب نمائندگی دی گئی ہے جب کہ اس مکتب فکر کے لوگوں کی تعداد ہندوستان میں دیگر مکاتب فکر سے زیادہ ہے ایسا کیوں نہیں ہے۔ کہنے کو یہ باتیں غیر ضروری معلوم ہوں گی لیکن حقیقت یہی ہے کہ اس سے اتحاد متاثر ہوتا ہے۔ ہم نے کرناٹک میں تمام مکاتب مفکر کے لوگوں کا محاذ قائم کر کے کچھ کام شروع کیا ہے ابھی ہمیں بہت زیادہ کامیابی تو نہیں ملی ہے لیکن نتائج اُمید افزا ہیں۔ جنوبی ہند کے مسلمانوں کا مسئلہ بہت زیادہ نہیں ہے فکر تو شمالی ہند اور مشرقی ریاستوں کی ہے جہاں تمام طرح کے مسائل درپیش ہیں۔ میرے خیال میں ہندوستانی مسلمانوں کا جب تک کوئی متحدہ پلیٹ فارم نہیں ہوگا کوئی کام کرنا آسان نہیں ہوگا۔ میں نے اس سلسلے میں اپنے دور میں کئی میٹنگیں کی تھی لیکن نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئیں ہر ایک اپنی ضد پر قائم ہے کسی کو مسلمانوں کی فکر نہیں ہے۔

(گفتگو پر مبنی)

تجربہ ہی کافی نہیں، ناکامی سے سبق بھی ضروری ہے

محمد صبغۃ اللہ ندوی

جب بھی ملک میں الیکشن ہوتا ہے، مسلم ووٹ اور مسلم سیاسی پارٹیاں خاص طور سے موضوع بحث رہتی ہیں۔ الیکشن سے پہلے یہ بحث ہوتی ہے کہ اس بار مسلمان کسے ووٹ دیں گے اور الیکشن کے بعد یہ بحث ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے کسے ووٹ دیا، انتخابی نتائج پر ان کے ووٹ کس حد تک اثر انداز ہوئے، خود مسلم امیدوار کتنے کامیاب ہوئے اور مسلم سیاسی پارٹیوں کی کیا کارکردگی رہی، پندرہویں لوک سبھا کے انتخابات میں مسلم ووٹ کی بدولت مرکز کی یو پی اے سرکار تو برقرار رہی اور کانگریس بھی پہلے سے زیادہ مضبوط ہوئی لیکن خود مسلمانوں کو نقصان پہنچا۔ لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد کم ہوگئی، پچھلی لوک سبھا میں ان کی تعداد ۳۶ تھی جو اس بار کم ہو کر ۳۱ ہوگئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس بار بھی مسلم سیاسی پارٹیوں کی کارکردگی کافی مایوس کن رہی۔ اس طرح مسلم ووٹ کی وجہ سے فرقہ پرست تو تیں اقتدار میں نہیں آئیں، یو پی اے خصوصاً کانگریس کو فائدہ پہنچا لیکن خود مسلمانوں کو نقصان پہنچا۔ مسلمان اپنی سیاسی شناخت برقرار رکھنے میں ایک بار پھر ناکام رہے۔

ویسے تو لوک سبھا میں اس وقت چار مسلم سیاسی پارٹیاں ہیں۔ ایک یوڈی ایف جس کا تعلق آسام سے ہے، دوسری مسلم لیگ جو سب سے قدیم مسلم سیاسی پارٹی ہونے کے باوجود ریاست کیرلا میں ہی محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ تیسری مجلس اتحاد المسلمین ہے جو آندھرا پردیش کے ایک شہر حیدرآباد میں ہی سمٹ کر رہ گئی ہے۔ چوتھی پارٹی نیشنل کانفرنس ہے یہ بھی جموں وکشمیر میں ہی محدود ہے ریاست میں ایک اور مسلم سیاسی پارٹی پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی ہے۔ پچھلی لوک سبھا میں اس کا ایک ممبر تھا اس بار پارٹی کا کوئی بھی امیدوار نہیں کامیاب ہوسکا۔ غرضیکہ قومی سطح پر اس وقت مسلمانوں کی کوئی ایسی سیاسی پارٹی نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لئے آزادی کے بعد سے اب تک مسلمانوں نے کوئی سنجیدہ کوشش کی۔ اب تک مسلم سیاسی پارٹیوں کے جو بھی تجربات کئے گئے وہ ریاستی سطح پر کئے گئے، آسام میں یوڈی ایف کے علاوہ کوئی بھی تجربہ کامیاب نہیں رہا۔ جہاں تک مذکورہ سیاسی جماعتوں کی کارکردگی کا تعلق ہے جو مجلس اتحاد المسلمین حیدرآباد کی اپنی قدیم نشست کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہی۔ باقی تینوں پارٹیوں کی کارکردگی قدرے بہتر رہی۔ نیشنل کانفرنس کی نشستیں دو سے بڑھ کر تین ہوگئیں جبکہ یوڈی ایف اور مسلم لیگ نے اپنی نمائندگی ایک سے بڑھا کر دو کر دی۔ جہاں تک انہیں محصولہ ووٹوں کا تعلق ہے تو اس معاملہ میں صرف یوڈی ایف کی کارکردگی قابل ذکر کہی جاسکتی ہے۔ اسے اگرچہ نشستیں کم ملیں لیکن محصولہ ووٹوں کا تناسب ۱۸ فیصد رہا جس سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ مستقبل میں یہ پارٹی اور آگے بڑھ سکتی ہے بس محنت، لگن اور عوام کے لئے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اترپردیش میں لگاتار دو بار الگ الگ نام سے مسلم سیاسی پارٹی کا تجربہ کیا گیا۔ ۲۰۰۴ء میں مسلمانوں نے دو محاذ بنا کر الیکشن لڑا اور دونوں بری طرح ناکام رہے، اس بار علماء کونسل نے اپنے امیدوار کھڑے کئے۔ اسے ووٹ تو خوب ملے لیکن ایک بھی امیدوار پارلیمنٹ میں نہیں پہنچ سکا بلکہ بعض حلقوں میں کونسل کے امیدوار دوسری پارٹیوں کے مسلم امیدوار کے شکست کی وجہ بھی بنے۔ آسام کو چھوڑ کر مسلم سیاسی پارٹی کا جہاں بھی تجربہ کیا گیا وہ ناکام رہا۔ مہاراشٹر میں بلدیاتی انتخابات میں یہ تجربہ کامیاب رہا تھا لیکن جب بات اسمبلی اور لوک سبھا انتخابات کی آتی ہے تو مایوسی ہوتی ہے۔ یہ سوال آج بھی تمام مسلمانوں کے لئے فکرمندی کا باعث بنا ہوا کہ آزادی کے ۶۲ برس بعد بھی مسلمان نہ تو اپنا سیاسی وزن قائم کر سکے، نہ ہی کوئی پریشر گروپ بنا سکے جو حکومت پر دباؤ ڈال کر ان کے مسائل حل کرا سکے۔ اپنی نمائندہ سیاسی جماعت کا قیام تو ایک خواب ہی بنا ہوا جس کے شرمندۂ تعبیر ہونے کے آثار دور دور تک نظر نہیں آ رہے ہیں۔ آبادی کے تناسب سے وہ ریاستوں سے مسلم امیدواروں کو بھی کامیاب نہیں کرا پاتے ہیں۔ یہ کتنی تشویش کی بات ہے کہ جھارکھنڈ، کرناٹک، اترانچل، دہلی اور مہاراشٹر سے اس بار لوک سبھا انتخابات میں ایک بھی مسلمان جیت کر پارلیمنٹ نہیں پہنچ سکا۔ جموں وکشمیر، آسام، مغربی بنگال، کیرلا، اترپردیش، بہار، آندھرا پردیش اور لکشدیپ جہاں سے ۳۱ مسلم اُمیدوار کامیاب ہوئے وہ بھی وہاں کی آبادی کے لحاظ سے کافی کم ہے۔ یہ بات واقعی مسلمانوں کے لئے لمحہ فکر یہ ہے کہ نہ تو مسلمان ہی آبادی کے تناسب سے لوک سبھا اور اسمبلیوں میں پہنچ پاتے ہیں اور نہ ہی مسلم سیاسی پارٹی کا تجربہ ہی کامیاب ہو پاتا ہے۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں ایک تو سیاسی پارٹیاں مسلمانوں کو بہت کم ٹکٹ دیتی ہیں، دوسرے بیشتر پارٹیاں چند گنے چنے حلقوں سے ہی مسلمانوں کو اُمیدوار بناتی ہیں، جن میں سے کسی ایک پارٹی کا امیدوار یا تو کامیاب ہوجاتا یا تمام پارٹیوں کے مسلم امیدواروں کے درمیان ووٹ اس طرح تقسیم ہوجاتے ہیں کہ وہی ایک دوسرے کی شکست کا سبب بن جاتے ہیں۔ سیاسی پارٹیوں کے مسلم رہنماؤں کے بارے میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے وہ پارٹی کے نمائندے اور وفادار ہوتے ہیں ملت کے نہیں وہ اس وقت بھی خاموش رہتے ہیں یا پارٹی کے گن گاتے ہیں جب ملت کسی مصیبت میں ہوتی ہے جیسا کہ بابری مسجد کی شہادت، بٹلہ ہاؤس کا مبینہ انکاؤنٹر اور دہشت گردی کے نام پر مسلمانوں کی گرفتاری اور انہیں بدنام کرنے کی منصوبہ بند مہم کے وقت دیکھا گیا۔ ایسے حالات میں مسلمان ان کو ووٹ کیوں دیں جب وہ ملت کے نمائندہ بننے کو تیار نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر لوک سبھا میں مسلم ممبران بدل جاتے ہیں۔ آخر اسے کیا کہا جائے گا کہ پچھلی لوک سبھا میں جو ۳۶ مسلمان تھے ان میں سے صرف پانچ ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ باقی یا تو تبدیل ہوگئے ہیں یا وہاں سے غیر مسلم امیدوار کامیاب ہوا ہے۔ جہاں تک مسلم سیاسی پارٹی کے تجربے کی ناکامی کا تعلق ہے۔ تو اب تک جو بھی تجربات کئے گئے۔ زیادہ تر جوش میں اور وقتی وجذباتی نعروں کے ساتھ کئے گئے۔ لوگوں کے سامنے کوئی ٹھوس پالیسی اور پروگرام نہیں پیش کیا گیا۔ اس لئے مسلمانوں نے اسے کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا۔ مسلم سیاسی پارٹی کے تجربہ کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت یہ سوچتی ہے کہ اگر انہوں نے کسی مسلم سیاسی پارٹی کو ووٹ دیا تو مرکز میں سیکولر حکومت نہیں بن سکے گی جب تک یہ سوچ نہیں بدلے گی۔ یہ تجربہ ناکام ہوتا رہے گا۔ مسلم سیاسی پارٹی کی تشکیل عموماً الیکشن سے ٹھیک چار پانچ ماہ قبل کی جاتی ہے اور الیکشن کے ساتھ ہی وہ ختم ہوجاتی ہے۔ جب خود سیاسی پارٹی بنانے والے سنجیدہ نہیں ہوتے تو دوسرے ان کی پارٹی کو سنجیدگی سے کیوں لیں گے۔

یہ بات واقعی مسلمانوں کے لئے لمحہ فکر یہ ہے کہ نہ تو مسلمان ہی آبادی کے تناسب سے لوک سبھا اسمبلیوں میں پہنچ پاتے ہیں اور نہ ہی مسلم سیاسی پارٹی کا تجربہ ہی کامیاب ہو پاتا ہے۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں ایک تو سیاسی پارٹیاں مسلمانوں کو بہت کم ٹکٹ دیتی ہیں، دوسرے بیشتر پارٹیاں چند گنے چنے حلقوں سے ہی مسلمانوں کو اُمیدوار بناتی ہیں، جن میں سے کسی ایک پارٹی کا امیدوار یا تو کامیاب ہوجاتا یا تمام پارٹیوں کے مسلم امیدواروں کے درمیان ووٹ اس طرح تقسیم ہوجاتے ہیں کہ وہی ایک دوسرے کی شکست کا سبب بن جاتے ہیں۔

●●

ہمارے خلاف غلط پروپیگنڈہ کیا گیا

ڈاکٹر محمد ایوب صدر پیس پارٹی آف انڈیا، اترپردیش

ہماری پارٹی کا قیام الیکشن سے ایک سال قبل ہوا ہے۔ ہمارے پاس نہ تنظیمی ڈھانچہ تھا اور نہ کارکن جو لوگ ہم سے وابستہ ہوئے ان میں تقریباً سبھی لوگ غیر سیاسی تھے۔ اس لئے کوئی بہتر الیکشن حکمت عملی طے نہیں ہوسکی یہ ہماری ناکامی کی بڑی وجہ رہی۔ ہم اپنے ووٹ کو آخر وقت تک باقی رکھنے میں ناکام رہے اس کے مختلف اسباب ہیں کچھ اخباروں نے ہمارے خلاف غلط پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا اس کا بھی ہمیں نقصان اٹھانا پڑا۔ ہم نے یوپی میں کل ۲۱ سیٹوں پر اپنے نمائندے کھڑے کئے تھے جس میں پانچ نمائندے بڑی مضبوطی سے لڑے اور پانچ بہت مضبوط نہیں رہے۔ باقی حلقوں میں ہم محنت نہیں کر سکے، جن پانچ مقامات پر مضبوطی سے لڑے وہاں کل پول ووٹ کا دس سے ۲۲ فیصد ووٹ ہمیں حاصل ہوا۔ یہ بات درست ہے کہ جس قدر ہماری ریلیوں میں بھیڑ جمع ہوتی تھی اس حساب سے ہمیں ووٹ نہیں مل سکا۔ اس کی بنیادی وجہ ہمارے خلاف غلط پروپیگنڈہ تھا جو اخباروں کے ذریعہ شروع کیا گیا۔ ملک کے ایک بڑے اُردو روزنامہ کے ایڈیٹر جنہوں نے الیکشن سے قبل تک کانگریس کی ناکامی پر سے پردہ اٹھانے کا بیڑا اٹھا رکھا تھا اور اپنے خصوصی اداریوں اور تقریروں کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ بتاتے رہے تھے کہ ہمیں اپنی قیادت پیدا کرنے کی ضرورت ہے اچانک الیکشن شروع ہوتے ہی ان کا لہجہ تبدیل ہوگیا اور کانگریس کے حق میں بولنا شروع کر دیا۔ اس کا بھی اثر ہمارے ووٹروں پر پڑا ان کا اعتبار متزلزل ہوگیا اس کے علاوہ کچھ اور اُردو اور ہندی کے اخباروں نے ہمارے خلاف مسلسل خبریں شائع کرنا شروع کر دیں بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ پیس پارٹی کے صدر نے بی جے پی سے سودے بازی کر لی ہے اس کے علاوہ مخالف سیاسی پارٹیوں نے اپنے طور پر ووٹروں کو گمراہ کرنے کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا جب یہ لوگ مسلم علاقے میں جاتے تو مسلمانوں کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے کہ انہوں نے بی جے پی سے سودے بازی کر لی ہے اور وہی لوگ جب ہندو محلوں میں جاتے تو وہاں یہ کہتے کہ پیس پارٹی کو ووٹ دے کر کوئی اور پاکستان بنانا ہے؟ ہم نے ان الزامات کی تردید شائع کرانے کی کوشش کی لیکن سبھی اخبارات نے شائع کرنے سے منع کر دیا حتی کہ اشتہار کی شکل میں بھی شائع نہیں کیا۔ یہ صورت حال الیکشن کے آخر تک رہی چونکہ سیاسی تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے بروقت ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ اب اس الیکشن سے ہمارے سامنے ایک بات تو واضح ہوگئی ہے کہ ان تمام غلط پروپیگنڈہ کے باوجود ووٹروں نے ہمیں اچھی تعداد میں ووٹ دیا ہے۔ ایک سال قبل قائم کی گئی پارٹی کے لئے یہ بڑی کامیابی ہے ہم نے جس قدر محنت کی اس حساب سے ہمیں ووٹ ملا۔ اب ہماری کوشش ہوگی کہ پورے اترپردیش میں پارٹی کے تنظیمی ڈھانچے کو ریاستی سطح سے لے کر مقامی سطح تک مضبوط کریں۔ اس کے لئے ہم نے پچاس ٹیمیں بنا دی ہیں جنہوں نے اس کے لئے کام شروع کر دیا ہے۔ اگر ہماری تنظیم منظم ہوتی اور اچھے امیدوار ہوتے تو صورت حال اور مختلف ہوتی اب ہمارے لئے کام کرنا آسان ہوگیا ہے افراد تیزی سے جڑ رہے ہیں۔ یوں تو ہمارا ہدف پورا ہندوستان ہے لیکن فی الحال ہم تین سال بعد ہونے والے یوپی اسمبلی الیکشن کی تیاری کر رہے ہیں۔ دوسری علاقائی پارٹیوں اور ہماری پارٹی میں فرق ہے ہمارا ووٹ پورے ہندوستان میں ہے۔ اس الیکشن میں ہمارا کسی سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا تھا اور نہ ہی آئندہ کرنے کا ارادہ ہے۔ مسلمانوں میں ابھی پورے طور پر سیاسی شعور بیدار نہیں ہوا جس دن ہوجائے گا کامیابی آسان ہوگی۔ ہم مسلمانوں کو یہی بات سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنی قیادت میں ملک کے تمام باشندوں کے لئے کام کرنا ہوگا۔ ہمارے تجزیے کے مطابق یوپی میں ۱۲۵ اسمبلی کی سیٹیں ایسی ہیں جہاں مسلم ووٹ کافی ہیں۔ ہم اپنی پارٹی میں صرف مسلمانوں کو لے کر نہیں چل رہے ہیں۔ ہم نے ان تمام لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے کی کوشش کی ہے جو سیاسی اور سماجی طور پر پسماندہ ہیں چاہے وہ کسی مذہب یا ذات سے تعلق رکھتے ہوں۔ مسلمانوں نے کانگریس کو پسند کر کے ووٹ نہیں دیا بلکہ سماجوادی اور بہوجن سماج پارٹی سے ناراضگی کے سبب متبادل کے طور پر کانگریس کو ووٹ دیا ہے کیوں کہ اگر ووٹ فیصد دیکھیں تو صرف دو فیصد ووٹ بڑھنے کی وجہ سے کانگریس کو اتنی سیٹیں حاصل ہوئی ہیں۔ ہم اپنے پرفارمینس پر کافی مطمئن ہیں اور کوشش جاری رکھیں گے۔

(گفتگو: اشرف علی بستوی)

ہمارے تجزیے کے مطابق یوپی میں ۱۲۵ اسمبلی کی سیٹیں ایسی ہیں جہاں مسلم ووٹ کافی ہیں۔ ہم اپنی پارٹی میں صرف مسلمانوں کو لے کر نہیں چل رہے ہیں۔ ہم نے ان تمام لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے کی کوشش کی ہے جو سیاسی اور سماجی طور پر پسماندہ ہیں چاہے وہ کسی مذہب یا ذات سے تعلق رکھتے ہوں۔

الیکشن میں عوامی مسائل پر بات کی جانی چاہئے

امریش مشرا معروف تاریخ نویس، ممبئی

مسلم سیاسی پارٹی کا تجربہ پوری طور پر ناکام ثابت ہوا۔ میرے خیال میں اس کی بنیادی وجہ سیاسی سمجھ کی کمی رہی۔ ہندوستان میں جس سیاسی زبان کا استعمال کرنے کی ضرورت تھی اس کا استعمال علماء کونسل اور دیگر مسلم سیاسی جماعتوں نے نہیں کیا، صرف مسلمانوں پر ہوئے مظالم اور زیادتیوں کو ہی اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی، جب کہ عوامی مسائل پر بات کرنے کی ضرورت ہے۔ یکطرفہ بات کرنے سے یہ پارٹیاں عام ووٹروں کی توجہ اپنی جانب کرنے میں ناکام رہیں۔ اگر سبھی کے لئے بات نہیں کریں گے تو ووٹ کیسے حاصل ہوگا۔ یوپی میں پیس پارٹی کی کارکردگی دیگر مسلم سیاسی پارٹیوں سے بہتر رہی اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف مسلم مسائل بلکہ عوامی مسائل پر بھی بات کی جس کی وجہ سے انہیں کافی ووٹ ملے حالانکہ کوئی سیٹ نہیں مل سکی، ان میں کمی یہ رہی کہ ان کے یہاں بھی بعض لوگوں میں سیاسی بصیرت اور تجربہ نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ ان کے یہاں بھی علماء کا کافی دخل تھا جس کی وجہ سے الیکشن مہم کے دوران انداز گفتگو میں یکطرفہ باتیں ہوئیں۔ اگر وہ لوگ سیاسی حکمت عملی کے ساتھ میدان میں آتے تو اور بہتر کر سکتے تھے۔ علماء کونسل نے سب سے بڑی غداری یہ کی کہ اس نے بی جے پی اور بی ایس پی سے کہیں نہ کہیں ہاتھ ملا لیا۔ یہ بات مجھے اس وقت سمجھ میں آئی جب میں نے ورون گاندھی پر اپنی گفتگو کے دوران حملہ بولنا شروع کیا اس پر پارٹی کے کنوینر عامر رشادی نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا۔ ۲۸؍اپریل کو لکھنؤ میں علماء کونسل کے لوگوں نے بی ایس پی کے امیدوار اکھلیش داس کے حق میں ووٹ دینے کی اپیل کے لئے ایک پرچہ تقسیم کرایا۔ میں نے فوراً عامر رشادی سے رابطہ کیا کہ آپ اس پر اپنا موقف ظاہر کریں۔ انہوں نے خاموشی اختیار رکھی۔ اس کے بعد میری سمجھ میں آ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔ یہ سمجھوتہ کس بات کو لے کر ہوا اس کے بارے میں مجھے علم نہیں۔ البتہ یہ بات تو طے ہے کہ بی ایس پی سے سمجھوتہ ہوا۔ اس پورے معاملے کے بعد میں نے اپنا ووٹ کانگریس کو ٹرانسفر کر دیا۔ میرے خیال میں علماء کی قیادت میں مسلم سیاسی تنظیم خود کو سیکولر ثابت کر ہی نہیں سکتی۔ اگر مسلمانوں کا تعلیم یافتہ دانشور طبقہ قیادت اپنے ہاتھ میں لے تو بہتر ہوگا۔ میرے خیال میں علماء میں سیاسی بصیرت بہت محدود ہوتی ہے۔ عامر رشادی پورے الیکشن میں ہندو مسلم ایکتا کی بات کرتے رہے لیکن کوئی سیکولر لائحہ عمل تیار نہیں کر سکے جو سب کو متوجہ کرے۔ علماء کونسل کے کل پانچ امیدوار تھے۔ مجھے نہیں لگتا کہ اس طرح کی مسلم سیاسی پارٹی آئندہ کچھ کر سکے گی۔ جب تک کسی مسلم سیکولر لیڈر کی قیادت میں کام نہیں ہوگا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ علماء کی سیاسی قیادت اطمینان بخش نہیں ہے۔ تاریخ کا طالب علم ہونے کی وجہ سے میں نے دیکھا ہے کہ ہندوستان مسلم حکمرانی کبھی علماء کے ہاتھوں میں نہیں رہی ہمیشہ سیکولر ذہن کے بادشاہ نے حکومت کی ہے۔ اس وقت ملک میں سیاست کا نیا دور شروع ہوا ہے کانگریس دوبارہ واپس ہوئی ہے۔ اس وقت یوپی میں

باقی صفحہ ۸ پر

مسلم سیاسی پارٹی کا تجربہ پوری طور پر ناکام ثابت ہوا۔ میرے خیال میں اس کی بنیادی وجہ سیاسی سمجھ کی کمی رہی۔ ہندوستان میں جس سیاسی زبان کا استعمال کرنے کی ضرورت تھی اس کا استعمال علماء کونسل اور دیگر مسلم سیاسی جماعتوں نے نہیں کیا، صرف مسلمانوں پر ہوئے مظالم اور زیادتیوں کو ہی اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی، جب کہ عوامی مسائل پر بات کرنے کی ضرورت ہے۔

فکر معاصر

بڑی طاقتوں کی سازش

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں یورپی ممالک نے ایشیا اور افریقہ کے کئی ممالک پر جابرانہ اور غاصبانہ قبضہ کرکے ان کو اپنی کالونیاں بنا لیا تھا اور مقبوضہ ممالک کے قدرتی وسائل کو جی بھر کر لوٹا تھا۔ یورپی ممالک میں برطانیہ سب سے آگے تھا۔ سلطنت برطانیہ اس قدر وسیع تھی کہ سلطنت برطانیہ میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا، مطلب یہ کہ ان کی سلطنت کے کسی نہ کسی مقبوضہ ملک میں سورج کی روشنی ضرور رہتی تھی۔ بیسویں صدی میں حالات بدلے، قابض ممالک کو اپنے مقبوضہ ممالک کو آزادی دینی پڑی لیکن آزادی دیئے جانے کے باوجود بیشتر ممالک حقیقی معنی میں آزاد نہیں ہوئے۔ برطانیہ کی جگہ جنگ عظیم دوم کے خاتمے کے بعد امریکہ نے سنبھال لی اور اقوام متحدہ کی تخلیق بڑے مفید اور خوش نما مقاصد کے تحت کی گئی لیکن در پردہ مقاصد کچھ اور تھے، یعنی اقوام متحدہ کو ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے کمزور، پسماندہ یا ترقی پذیر ممالک پر کنٹرول قائم کرنے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ دوسری جنگ کا خاتمہ امریکہ نے جاپان پر ایک نہیں دو ایٹم بم گرا کر کیا تھا، گویا ایٹم بم استعمال کرنے والا پہلا مجرم آج کا سپر پاور امریکہ ہے۔ دوسری جنگ کے بعد اپنی کالونیوں کو آزادی دینے کے بعد برطانیہ کی قوت گھٹ چکی تھی اور وہ محض شیر قالین رہ گیا تھا۔ عالمی منظر نامے میں امریکہ اور روس نہ صرف عالمی قوتیں تھیں، بلکہ ایک دوسرے کی حریف تھیں، ان دونوں کی مخالفت اور مخاصمت کو سرد جنگ کا نام دیا گیا۔ امریکہ کے بعد روس، برطانیہ، فرانس سب ہی ایٹمی طاقت بن گئے اور ہر ایک کے اسلحہ خانے میں بے شمار ایٹم بم جمع ہوگئے تو انہیں یہ خیال آیا کہ اب ہمارے علاوہ کسی اور کو ایٹم بم بنانے کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ حالانکہ پچاس یا ساٹھ کی دہائی میں ایشیا یا افریقہ کا کوئی ملک ایٹم بم بنانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، لیکن عالمی طاقتوں کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ جلد ہی ایشیا اور افریقہ کے ممالک بھی ایٹم بم بنانے کی صلاحیت حاصل کرلیں گے لہٰذا وہ نہیں چاہتے تھے کہ دنیا کا کوئی اور ملک ان ہتھیاروں کا مالک بن جائے جس کو وہ صرف اور صرف عالمی طاقتوں کے لئے مخصوص مانتے تھے۔ چنانچہ اقوام متحدہ کو دراصل بنایا ہی گیا تھا ان ہی مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے، چنانچہ ایسے ادارے قائم کئے گئے کہ وہ ایٹمی صلاحیت کو پھیلنے نہ دیں، غرض کہ کچھ ایسا انتظام قائم کیا گیا کہ کوئی ملک ایٹمی اسلحہ کا مالک نہ بن سکے اور آج شمالی کوریا کے اسی ایٹمی تجربے پر جو ہنگامہ برپا ہے وہ ان ہی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس درمیان میں امریکہ اور دیگر مغربی ممالک نے یہ انتظام ضرور کیا کہ اسرائیل ایٹمی صلاحیت حاصل کرلے اور اس کے اسلحہ خانے میں ایٹم بموں کی خاصی بڑی تعداد شامل ہوجائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسرائیل نے بغیر کسی کے علم میں لائے ایٹم بم تیار کرلئے اور اس کی اس حرکت پر کچھ بھی نہیں ہوا، نہ کسی کے کان پر جوں رینگیں اور نہ ہی کسی جانب سے اعتراض ہوا بلکہ ہر بات خفیہ رکھی گئی۔ اسرائیل پر نہ کوئی اعتراض ہوا اور نہ ہی کوئی پابندی لگی، اس کے برخلاف ہندوستان نے جب ۱۹۷۴ء میں اپنا پہلا ایٹمی تجربہ کیا تو ہندوستان پر نہ صرف شدید اعتراضات ہوئے بلکہ اس پر جو پابندیاں عائد کی گئیں، وہ زمانے تک قائم رہیں۔ اسی طرح ۱۹۹۸ء میں ہندوستان اور پاکستان نے جب ایٹمی دھماکے کئے تو اعتراضات اور تحدیدات کی کہانی پھر دہرائی گئی اور ہندوستان کو ۲۰۰۸ء میں امریکہ سے نیوکلیائی معاہدے کرکے مجبور کردیا گیا کہ وہ اپنی ایٹمی صلاحیت کو محدود رکھے۔ ہندوستان اور پاکستان سے امریکہ اور مغربی دنیا کے مفادات وابستہ تھے اس لئے کسی نہ کسی حد تک ان کو رعایت دی گئی۔ جب ایران اور شمالی کوریا نے ایٹمی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش شروع کی تو پھر وہی ہنگامہ شروع ہوا۔ ایران اور شمالی کوریا ''بدی کے محور'' قرار دیئے گئے، لیبیا کو مجبور کیا گیا کہ وہ ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کی مساعی ترک کردے۔

(منصف، حیدرآباد)

نسل پرستی مخالف کانفرنس میں عربوں کی حیرتناک غیر موجودگی

تحریر: ڈاکٹر عصام العریان ☆ ترجمہ: مسعود الرحمن خان ندوی

جنیوا میں نسل پرستی کے خلاف کانفرنس میں عربوں کی حیرت ناک عدم دلچسپی سے مبصرین کو خوب خوب تبصروں کا موقع ملا، تمام عرب زعماء و قائدین غائب رہے اور کسی نے بھی ایرانی صدر کی طرح اس بین الاقوامی اجتماع سے خطاب نہ کیا بلکہ عرب ممالک کے نمائندوں نے ان اہم مسائل سے بھی دستبرداری اختیار کرلی جن کو اختتامی بیان میں شامل ہونا چاہئے تھا جیسے: (۱) ڈربن کانفرنس اول کے سلسلے کو قائم رکھتے ہوئے نسل پرستی کی بدترین صہیونی شکل کی مذمت، یہ کانفرنس حقیقتاً مسئلہ فلسطین کے لئے فتح ثابت ہوئی تھی۔ (۲) اسلام اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یوروپی نسل پرستی کی صاف صاف مذمت۔ (۳) عرب اور مسلمانوں کے خلاف مغربی اور امریکی نسل پرست پالیسیوں کی مذمت۔

سرکاری عرب نمائندوں نے ان تمام مسائل سے پلہ جھاڑ لیا اور ڈربن اول کی تجاویز اور کانفرنس کے بائیکاٹ کی دھمکی دینے والے ممالک کی شرکت کے عوض ایسی عام باتوں پر اکتفا کیا جن سے اہل یورپ و امریکہ کے نازک احساسات کو ٹھیس نہ لگے، اس پوری کانفرنس میں فلسطین مقتدرہ کی خاموشی بھی حیرت انگیز تھی اگر اس تمام سعادتمندی کے باوجود ہوا یہ کہ امریکہ اور صہیونیوں کو نہ شرکت کرنی تھی نہ انہوں نے کی، بلکہ بائیکاٹ کرنے والوں کی تعداد مزید بڑھ گئی اور ایک کمزور اختتامی بیان جاری ہوا جس میں تمام اہم مسائل سے صرف نظر کیا گیا، عرب وفود تو تھے ہی کمزور، بے حیثیت، مگر اہم بات یہ کہ اس میلہ کو جس نے لوٹا اور ساری دنیا میں جس کا چرچا ہوا وہ تھی ایرانی صدر محمود احمدی نژاد کی ذات جو دوسری مدت صدارت کے امیدوار ہیں۔

ہم ایرانی نفوذ و رسوخ کے پھیلاؤ کی بات کرتے ہیں، لیکن عرب غیر موجودگی کا محاسبہ نہیں کرتے، یہاں تک کہ ناٹو کی آخری چوٹی کانفرنس میں وزیراعظم ڈنمارک کی بحیثیت جنرل سکریٹری تقرری پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کی وجہ سے تنہا مخالف آواز ترکی کی تھی، اس طرح ترکی وزیراعظم رجب طیب اردوغان نے ڈیووس کانفرنس کے بعد ایک مختصر مدت میں دوسری بار صحیح نشانہ لگایا، اگرچہ مقامی انتخابات میں اس کا فائدہ نہ مل سکا، اس لئے کہ انہوں نے ڈیووس کانفرنس کے بعد اسرائیلی صدر پیریز کو فون کرکے اس موقع کو ضائع کردیا اور دوسری بار آخر میں ڈنمارکی وزیراعظم کے ناٹو کی جنرل سکریٹری شپ پر راضی ہوکر اس موقع کو کھودیا اس لئے ان کی مقبولیت بڑھنے کے بجائے کم ہوگئی۔ جمہوریت اسی کا نام ہے کہ وہ باتوں پر نہیں بلکہ کاموں اور ان کے نتائج پر فیصلہ کرتی ہے۔

اللہ رحم کرے! عرب آج کل سرکاری اور عوامی دونوں سطح پر حیرت انگیز غیوبت کی حالت میں ہیں۔ چنانچہ اقوام متحدہ میں رجسٹرڈ عوامی ادارے عرب اور فلسطینی حق کے دفاع کے لئے جنیوا کانفرنس میں شریک نہیں ہوئے۔ جب کہ صہیونی سرکاری حلقہ کی عدم موجودگی کے باوجود صہیونی نسل پرستی کے دفاع کے لئے صہیونی تنظیمیں وہاں موجود تھیں، اور ٹیلی ویژن پر سب نے دیکھا کہ ایرانی صدر کے طاقتور خطاب کے دوران رکاوٹ پیدا کررہی، اور ان پر ٹماٹر پھینک رہی تھیں۔ عرب تنظیمیں ''اتحاد برائے دارفور اور کئی برس قبل ڈربن کانفرنس میں تو پوری قوت سے شریک ہوئی تھیں، پھر کیا ہوا کہ اس موقع پر غیر حاضر رہیں؟ بڑے پیمانہ پر اس عدم شرکت پر کئی اہم سوال اٹھتے ہیں: کیا عرب وطنی مملکت ناکام ہوگئی یا اس پر پھندہ کس گیا ہے؟ کیا عرب وحدت کا منصوبہ ناکام ہوگیا؟ اگر ایسا ہے تو اب عرب قومیت کدھر جارہی ہے؟ کیا عرب انفرادی یا اجتماعی یا اداروں کی سطح پر اپنے خود مختارانہ فیصلہ کے مالک ہیں؟ کیا ہر سطح پر ناکامی کی موجودہ حالت سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟ حقیقت تو یہ ہے: سیاست کے میدان میں آزادیاں غائب، اقتصادی میدان میں مستقل بالذات نمو اور عرب خود کفالتی میں ناکامی، اجتماعی میدان میں ہمارے ملک میں بڑی محرومی اور اجنبیت کی حالت، ثقافتی میدان میں تخلیق و انتاج کی سخت قلت و ندرت اور ٹیکنالوجی و سائنس کے میدان میں علاقہ کی دوسرے ممالک کے مقابلہ میں واضح پسپائی!

بڑی طاقتیں جو دنیا پر حاوی ہونا چاہتی ہیں اور اس کے لئے منصوبہ بندی کررہی ہیں ان کو ہر میدان میں عربوں کی غیر موجودگی نے مجبور کیا کہ وہ ان کا متبادل تلاش کریں، عربوں کے لئے دھمکی کی حیثیت رکھنے والے صہیونی اور فارسی منصوبوں کی ناکامی کے بعد اب از سر نو یہ خیال پیدا ہوا کہ مغربی سامراج کے دور کے خاتمہ پر ترک یا نئے عثمانیوں کے آغوش میں پناہ حاصل کی جائے۔

سامراجی منصوبہ تو یہ تھا کہ عرب اور فلسطینیوں پر صہیونی وجود مسلط کردیا جائے، مگر سیکولر مزاحمتی تحریکوں کو قابو میں کرنے، ان کے قائدین کو خریدنے (یہاں تک کہ وہ بھی قابض صہیونیوں کی زبان میں بات کرنے لگیں) اور عرب عوام پر منتخب سیکولر عناصر کو تھوپنے کے بعد اسلامی مزاحمت ظاہر ہوئی جو گزشتہ بیس برسوں میں مذکورہ منصوبہ کی راہ میں بڑا چیلنج ثابت ہوئی۔ پھر مشکلات اقلیمی محیط سے نکل کر پاکستان، ایران اور قرن افریقہ تک پھیل گئیں تو ترکی کی اسلامی پس منظر والی پارٹی (عدالت وتمیہ) کو سامنے آنے، خالی جگہ پر قبضہ کرنے اور پیر جمانے کی اجازت ملی۔

اصل مقصد یہ ہے کہ ترقی کے ہی مستقل منصوبہ کو ناکام بنایا جائے اور علاقہ کے ہر نمو بخش منصوبہ کی راہ میں رکاوٹ ڈالی جائے، اس لئے اس علاقہ کی تمام ثروتوں کو آئندہ صدی تک باقی رکھنا، اور اس کے مخفی تہذیبی رسوخ اور اٹھتی ہوئی جوان صلاحیتوں کو کنٹرول میں رکھتے ہوئے اس وقت تک ضائع ہونے دینا ہے جب تک کہ مغرب کو مابعد جدیدیت کے عہد سے عافیت نصیب ہو جو اس کے وجود کے لئے عدم و عبث کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے۔ پھر اقتصادی بحران سے حکام و سیاستدانوں کی فضیحتوں سے بڑھ کر مال و تجارت کے مالکوں کے اخلاقی بحران کی گہرائی ظاہر ہوئی بلکہ امریکہ میں بحران حقوق انسانی کی خلاف ورزیوں اور منظم ٹارچر تک پہنچ گیا یہاں تک کہ بین الاقوامی تنظیمیں جن پر مغرب حاوی ہے اپنی فعالیت کھونے لگیں جیسے اقوام متحدہ، انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ، ورلڈ بینک، عالمی تجارتی تنظیم وغیرہ۔

پیشگی جنگیں ناکام ہوئیں، نیوکلیئر صہیونی دھمکی کارگر نہ ہوئی، عرب سیکولر استبدادی نظامہائے حکومت زوال پذیر ہیں، عوامی غصہ بڑھ رہا ہے، تمام عرب معاشروں کے طیش میں اضافہ ہورہا ہے، لبنان و فلسطین میں مسلح اسلامی مزاحمت کو ختم کرنے کے لئے دو جنگیں ناکام ہوچکیں، اس لئے اب ہمیں ترکی یا نئے عثمانی متبادل کی آغوش میں پناہ لینی چاہئے۔ امریکی-ترکی اتحاد (جس کا اب تک یورپ مخالف ہے) میں امریکہ ترکی کو دنیا کے بہت سے مقامات پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔ جیسے روس کے خلاف، ایران کے خلاف، عرب ناکامی کے خلاف...

آج ترکی امریکہ کی معیت میں اپنے دشمنوں اور مقابلہ کرنے والوں کے خلاف بظاہر طاقتور فریق ہے، کل خلافت (عثمانیہ) دستور، مشروطیت، جمہوریت اور سیکولرازم کو مسترد کرتی تھی، آج ترکی اسلامی ممالک کے لئے جمہوری سیکولر ماڈل ہے، اس کی اقتصاد طاقتور ترین معیشتوں میں اور فوج مضبوط ترین فوجوں میں ہے، مگر اس کے تہذیبی نفوذ کو اسلامی رنگ اور عالم عرب کے ساتھ مصالحت کی ضرورت ہے۔ عربوں کے لئے اب زمانہ کا پہیہ الٹا گھوم چکا ہے تاکہ وہ از سر نو ترکی کی حمایت میں داخل ہوجائیں۔ اس لئے کہ انہوں نے ترکی ٹوپی اتار کر ہیٹ پہن لیا ہے، اور عربوں کو اب کوئی تسلی دینے والا بھی نہیں۔

(ہفت روزہ الامان، بیروت)

اخوت اسلامی کا ایک لائق تقلید نمونہ

جمال عبداللہ عثمان

بونیر کے قریب اور شیر گڑھ سے کافی فاصلے پر واقع ایک گاؤں ہے جس کا نام ''قاسمی'' ہے۔ یہاں ہمارے ایک دوست مجیب الرحمٰن نے آنے کی دعوت دی۔ ان کی دعوت تو بڑی پُرخلوص تھی لیکن بلانے کا انداز دل دُکھانے والا تھا۔ کہنے لگے: ''تم اہل کراچی نے تو اچھا سلوک نہیں کیا لیکن یہاں آکر دیکھو ان لوگوں نے انصار مدینہ کی یاد تازہ کردی۔ ''قاسمی'' کے غریب قصبے نے اہل بونیر اور سوات کے لئے اپنے بیٹے تک قربان کردیئے۔ یہ سن کر ایک چرکا سا لگا۔ میں نے جواباً کہا ''یہ غلط فہمی ہے۔ تم کراچی جاکر تو دیکھو! لوگوں نے اپنے متاثرہ بھائیوں کے لئے دن کا چین، رات کی نیند قربان کردی ہے۔''

''وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن اگر دودھ کے ایک بہت بڑے تالاب میں زہر کا ایک چھوٹا سا قطرہ ڈال دیا جائے تو اسے دودھ نہیں کہا جائے گا۔ تم اہل کراچی کے اخلاص میں کوئی شک نہیں لیکن نجانے کیوں اہل سرحد کے ذہنوں میں یہ بات آرہی ہے کہ سندھ خصوصاً کراچی والوں نے مناسب نہیں کیا۔''

''دودھ کے بہت بڑے تالاب میں اگر کوئی ظالم زہر کا قطرہ ڈال دے تو اس کا ذمہ دار'' میں ابھی جواب دے ہی رہا تھا کہ مجیب نے بات کاٹتے ہوئے کہا ''اچھا! اب بحث کا کوئی فائدہ نہیں، ویسے میرا تو اس حوالے سے ذہن بالکل کلیئر ہے لیکن میں ایک عمومی بات بتا رہا تھا۔''

میں ٹوٹے دل کے ساتھ ''قاسمی'' روانہ ہوا۔ شام کے تقریباً ۸ بجے میں اس دور افتادہ گاؤں میں موجود تھا۔ اس گاؤں پر عجیب افسردگی چھائی ہوئی ہے۔ یہاں سے دو دنوں میں دو خوبصورت نوجوانوں کے جنازے اٹھے ہیں۔ ان میں سے ایک یوسف خان ہے جو گاؤں والوں کے مطابق ''اسم بامسمیٰ'' تھا۔ اس کی عمر ۲۵ سال تھی۔ جب کہ اقبال ابھی زندگی کے صرف ۲۶ بہاریں ہی دیکھ سکا تھا۔ ایک کی شادی کو دو مہینے ہوئے تھے جب کہ والدین کا اکلوتا دوسرا گھبرو جوان ایک بچی کا باپ تھا۔

دونوں کی کہانی دُکھ طاری کردینے والی ہے۔ لیکن اس سے قبل ''قاسمی'' کے ایثار اور قربانی کو ملاحظہ کیجئے۔ ''قاسمی'' گاؤں میں کھیتی باڑی لوگوں کا ذریعہ معاش ہے۔ آمدنی کا کوئی اور ذریعہ نہیں لیکن جس طرح یہاں کی سرزمین سرسبز وشاداب ہے اسی طرح یہاں لوگوں کے دل بھی سرسبز وشاداب اور اپنے ہم وطنوں کے لئے فراخ ثابت ہوئے ہیں۔ میرے دوست مجیب الرحمٰن نے بتایا ''جس رات بونیر میں آپریشن شروع ہوا، سامنے پہاڑوں سے مہاجرین کا تانتا بندھ گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی طوفانی ریلا آرہا ہو۔ کسی کے پاس کچھ نہ تھا۔ بہت سارے آبلہ پا تھا۔ مردوں نے دو دو بچے کاندھوں پر اٹھا رکھے تھے۔ خواتین کے پاؤں میں چھالے پڑگئے تھا۔ کئی ایک کے پاؤں کانٹوں نے بری طرح زخمی کردیئے تھے۔'' مجیب نے سامنے پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''یہ بڑا خطرناک پہاڑ ہے۔ اس میں جنگل بھی ہے جہاں وحشی جانور بڑی تعداد میں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آنے والوں نے ان سے بے پرواہ ہوکر یہ راستہ اختیار کیا۔ میں سوچتا ہوں تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں لیکن بعض اوقات زندگی بچانے کے لئے انسان بڑے سے بڑا خطرہ مول لیتا ہے، سو ان لوگوں نے بھی زندگی کی خاطر موت کا سامنا کیا۔ جب یہ لوگ ہمارے گاؤں کا رخ کررہے تھے تو ہمیں معلوم نہ تھا۔ ابھی ہم بستروں میں جا ہی رہے تھے کہ مساجد سے اعلانات شروع ہوگئے۔ بتایا گیا بونیر سے ہمارے بھائی اور بہنیں آئی ہیں، وہ ہماری مہمان نوازی کے منتظر ہیں، جتنا ہوسکتا ہے، اس سے بڑھ کر مہمان نوازی کا حق ادا کیا جائے۔'' مجیب نے بتایا ''جو شخص بھی متاثرین کی حالت دیکھتا اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے۔ وہ گھر جاتا، جو کچھ موجود ہوتا اٹھا لاتا اور اسکول کے گراؤنڈ میں لاکر ڈھیر کردیتا۔ کچھ ہی دیر بعد کھانے پینے کی اشیاء کے انبار لگ گئے۔ لوگ گھروں سے بستر اور چٹائیاں لالا کر ڈھیر کررہے تھے۔ چند ہزار نفوس پر مشتمل اس گاؤں میں نوجوانوں نے رات کے اندھیرے میں جھولی پھیلائی تو ایک گھنٹے کے اندر ۸۰ ہزار سے زائد جمع ہوگئے۔ خواتین نے اپنے زیورات تک عطیہ کردیئے۔ کسی کے پاس کچھ نہ تھا تو گھر کو دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ ایک حصہ متاثرین کے لئے وقف کیا، دوسرے میں اپنے ۱۵، ۲۰ افراد کو کھپادیا اور اس سے بڑھ کر قربانی اور کیا ہوسکتی ہے کہ قاسمی نے اپنے نوجوان بھی ان پر فدا کردیئے۔'' ''وہ کیسے؟'' میں نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔ مجیب نے کہا ''بونیر سے جو متاثرین آئے تھے، ان میں ایک ادھیڑ عمر خاتون تھی جو مسلسل روئے جارہی تھی۔ پتا چلا وہ اپنے پورے خاندان کو چھوڑ کر آئی ہے۔ خاتون بار بار کہہ رہی تھی: ''خدا کے لئے کوئی میرے ساتھ چلا جائے۔ میں اپنے بچوں کے بغیر مرجاؤں گی۔ میرے گھر پر کچھ نہیں بچا۔ میں بچوں سے وعدہ کرکے آئی ہوں کہ کسی کے سامنے جھولی پھیلا کے تمہاری زندگی کی بھیک مانگوں گی۔'' لیکن قیامت کے اس دن کون ہمت کرسکتا تھا کہ اس کے ساتھ چلا جاتا؟ لوگوں نے خاتون کو بڑی ہمت بندھائی لیکن وہ اپنی ہٹ کی پکی تھی۔

بالآخر اس گاؤں کے نوجوان یوسف خان سے رہا نہ گیا۔ اس نے اپنے دوستوں کو اکٹھا کیا۔ ان کے سامنے ایک تجویز یہ تھی کہ صبح تین گاڑیوں پر مشتمل قافلہ بونیر جاکر خاتون کے اہل خانہ کو لائے گا۔

''صبح تڑکے یہ قافلہ روانہ ہوا۔ بڑی مشکل سے دوپہر کو بونیر پہنچا۔ خاتون نے اپنا خاندان صحیح سلامت دیکھا تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ بار بار آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتی اور ''قاسمی'' والوں کے لئے ''بہت بڑے اجر'' کی دُعا کرتی۔ ایک گاڑی میں مویشیوں کو ڈالا، دوسری پک اَپ میں گھر کا سامان رکھا اور یوسف خان کی گاڑی میں گھر کے تمام افراد کو بٹھادیا۔ اس طرح یہ قافلہ منزل کی طرف رواں دواں ہوگیا۔ کسے معلوم تھا یہ قافلہ جہاں جارہا ہے، اصل منزل وہی ہے۔ باقی تمام منازل تو عارضی ہیں۔ ابھی ان لوگوں نے کچھ ہی سفر کیا تھا کہ ''نامعلوم'' مقام سے ایک مارٹر گرا اور زمین پھٹ گئی۔''

قافلے میں زندہ بچ جانے والے کنڈیکٹر نے روداد سناتے ہوئے کہا ''ہم لوگ خوشی خوشی جارہے تھے۔ خطرے سے نکل چکے تھے۔ ''قاسمی والے'' اپنی کامیابی پر ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے کہ اس دوران ایک دھماکہ ہوگیا۔ ایسا لگا جیسے آسمان ٹوٹ پڑا ہو یا زمین نے اپنے بوجھ باہر نکال دیا ہو۔ مجھے اپنے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔ مجھے چند چیخیں سنائی دیں اور اس کے بعد کچھ سمجھ نہ آیا۔ جب آنکھیں کھلیں تو دیکھا میرا جسم خون میں لت پت ہے۔ یوسف خان کی گاڑی تباہ ہوچکی ہے۔ میرے چاروں طرف لاشیں بکھری پڑی ہیں۔ ۷ا افراد میں سے صرف میں ہی اس دنیا میں مزید مصائب دیکھنے کے لئے بچ گیا ہوں۔ میں نے یہ حال دیکھا تو چیخیں نکل گئیں۔ میری چیخوں سے یقیناً عرش بھی ہل گیا ہوگا لیکن انسانوں کی اس دھرتی پر کوئی انسان یہاں تھا نہ ہی کوئی ہماری مدد کو پہنچا۔ یہاں تک کہ مارنے والوں نے بھی ہماری لاشیں اٹھانے کی زحمت گوارا نہ کی۔''

کنڈیکٹر کے ان الفاظ نے محفل پر سکوت طاری کردیا۔ اب میں نے مجیب سے اقبال کی کہانی سننے کی خواہش ظاہر کی۔ مجیب نے والدین کے اکلوتے بیٹے اقبال کا واقعہ ایک ہی لمحے میں کہہ سنایا لیکن وعدے کے باوجود میں اسے یہاں رقم کرنے سے قاصر ہوں کہ جوانی کی موت سے ہر ایک ڈرتا ہے اور زندگی ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے!

(جسارت، کراچی)

بیت المقدس کی ہیئت تبدیل کرنے کا صہیونی منصوبہ

رؤف عامر

امام غزالی کا فرمان ہے کہ ہم دولت سے ہم نشین تو خرید سکتے ہیں نیند نہیں۔ اسرائیل قبلہ اوّل کو صہیونیوں کی ملکیت ثابت کرنے کے لئے سازشوں و مکرکرنیوں کے کئی جال بن رہا ہے مگر رحیمی خدا کے کارن یہ جال ہمیشہ کھل کر یہودیوں کا کچھ چھنا طشت از بام کردیتے ہیں۔ اسرائیل نے بیت المقدس کی اسلامی شناخت کے شیش محل کو زمین بوس کرنے کے لئے قبلہ اوّل کے گرد سڑکیں، نئی عمارتیں، پارک اور تفریحی سیرگاہیں بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہودیوں کی اس نئی واردات کا بھانڈا ایک غیر سرکاری تنظیم ہارنز نے پھوڑا ہے۔ اسرائیلی حکومت نے یہ ٹاسک یروشلم اتھارٹی کے سپرد کردیا ہے۔

اس پراجیکٹ کے اخراجات یروشلم کے بلدیاتی چیئرمین اور وزیراعظم برداشت کررہے ہیں۔ یہ منصوبہ ایہود المروٹ کے دور میں ایجاد کیا۔ ستمبر ۲۰۰۸ء میں المروٹ نے اس منصوبے کی منظوری دی۔ منصوبے کی رو سے قدیم شہر کے چاروں طرف میں نئی تعمیرات کا جال بچھایا جارہا ہے تاکہ وہاں کثیر تعداد میں موجودہ فلسطینی اور عرب باشندے بے دخل کردیئے جائیں۔ تل ابیب کے ترجمان نے سازش کے انکشاف پر دلیل دی کہ وہ یروشلم کو اسرائیل کا مستقل کیپٹل بنانے کے لئے مضبوط بنیاد رکھ رہے ہیں مگر درون خانہ اس سازش کے پس پردہ بیت المقدس کو ہتھیانا مقامات مقدسہ و فلسطینی سرزمین پر اپنے بدمعاشانہ قبضے کو دوام بخشنا ہے۔ ایسے زہریلے پراجیکٹ کی رو سے مجوزہ علاقے پر اسلامی تہذیب وثقافت کے صدیوں پرانے اثرات کو مٹا کر یہودی کلچر کو دوام بخشنا ہے۔

اسرائیل کے ایک مقدس ترین مقام جو ابھی تک متنازعہ اور فلسطینیوں کی ملکیت ہے وہاں ایک ایکڑ زمین پر جو بیں عمارتیں تعمیر کی جارہی ہیں۔ قبلہ اوّل کے چاروں طرف اسٹیڈیم، پارکس اور دفاتر بنانے کا پروگرام اس بودے منصوبے کا حصہ ہے۔ مشرقی بیت المقدس میں پراجیکٹ کی تکمیل کے لئے حکومت کے پاس مطلوب جگہ پر کوئی زمین نہیں ہے۔ یوں وہاں آباد مسلمانوں عربوں اور فلسطینیوں سے زبردستی زمین خریدی جارہی ہے۔ اسرائیل کے نامور دانشور نے اعتراض کیا ہے کہ نئے منصوبے سے یروشلم پہلے سے زیادہ غیر مستحکم اور خون آلود ہوجائے گا مگر تل ابیب نے اس رائے کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ اس منصوبے سے تمام مذاہب کے پجاری مستفید ہوں گے کیونکہ اسرائیلی قوانین مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے ہر شخص کو وہاں جانے کی اجازت دیتے ہیں مگر سچ تو یہ کہ ہاتھی کے دانت دکھانے والے اور جب کہ کھانے والے دوسرے ہوتے ہیں۔ اسرائیل کے ترجمان کا کہنا ہے کہ صرف پیشگی اجازت لئے بغیر تعمیر کئے جانے والے گھروں کو مسمار کیا جائے گا۔ المروٹ بھی مسلم تعصب پسند لیڈر ہے مگر وہ اپنے دور میں امن معاہدے کی کچھ نہ کچھ پاسداری کرتا رہا۔ المروٹ کے جانے کے بعد اقتدار کے مسند پر جلوہ افروز ہونے والے انتہا پسند نیتن یاہو اس پراجیکٹ کی جلد از جلد تکمیل چاہتے ہیں تاکہ یروشلم کی ہیئت تبدیل کرکے فلسطینیوں کے ملکیتی دعوؤں کو ریت کیا جائے۔ یاد رہے کہ یروشلم مسلمانوں، فلسطینیوں اور عیسائیوں کے لئے مقدس ہے مگر اسرائیلی جادوگر اب اسے صرف یہودیوں کے نام کرنے کے لئے بے تاب ہیں۔ اسرائیل یروشلم پر اپنا حق جتا کر اسے اپنا ابدی کیپٹل کا درجہ دے چکا ہے مگر عالم عرب اور عالمی برادری تلب ابیب کا یہ دعویٰ تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔ یہودی حکمرانوں نے پوری دنیا کے یہودیوں کو اسرائیل آنے کی دعوت دی ہے اور نقل مکانی کا عمل اب تک جاری ہے۔ نقل مکانی کرکے اسرائیل آنے والے یہودیوں کو مسلمانوں کے رقبے پر مکانات تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یروشلم کے میئر برکات نے کہا کہ ہم نے مشرقی بیت المقدس میں ۵۵۰۰ مکانات تعمیر کرنے کا ماسٹر پلان مرتب کیا ہے۔ برکات نے وعدہ کیا کہ متاثرہ فلسطینیوں کو حکومت متبادل زمین فراہم کرے گی۔ یہاں بیشتر فلسطینی ۱۹۳۰ء سے رہائش پذیر ہیں۔ اسرائیل نے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں مشرقی بیت المقدس پر تسلط قائم کیا تھا۔ فلسطینی مشرقی بیت المقدس کو مستقبل کی آزاد فلسطینی ریاست کا کیپٹل بنانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ بیت المقدس میں سات لاکھ ۴۰ ہزار آبادی کا تیں فیصد فلسطینیوں پر مشتمل ہے۔ برکات آزاد حیثیت سے کامیاب ہوئے مگر نیتن یاہو کی طرح برکات کے ذہن میں فلسطینیوں سے نفرت کا زہر بھرا ہوا ہے۔ اپنے انتہا پسندانہ نظریات کی وجہ سے وہ نیتن یاہو کے پانچ پیاروں میں شامل ہیں۔ یو این او کی human right ونگ کی رپورٹ کے مطابق ابھی تک ۱۵۰۰ فلسطینی گھروں کے انہدام کا فیصلہ زیر التوا ہے۔ یو این او کے مطابق اگر یہ گھر مسمار ہوئے تو نو ہزار شکستہ دل فلسطینی بے گھر ہوجائیں گے۔ برکات کے حواری مشیر اسٹیفن ملر کا کہنا ہے کہ متاثر ہونے والوں کو فلسطین علاقوں میں آباد کیا جائے گا، جس سے فلسطینی بستیوں میں مکانات کی کمی پوری ہوجائے گی۔ برکات جگالی کرتے ہیں کہ فلسطینیوں کو مکانات تعمیر کرنے کے ہزاروں اجازت نامے جاری کئے گئے مگر دو ہزار چھ سے اب تک ۳۵۹ اجازت نامے جاری ہوئے۔ فلسطین کی موجودہ حکومت دو ریاستی فارمولے کی مخالف ہے۔ عیسائی دنیا کی روحانی شخصیت پوپ نے اپنے دورہ اسرائیل میں جہاں ایک طرف یہودیوں سے اظہار یکجہتی کیا وہاں دوسری جانب خطے میں قیام امن کے لئے دو ریاستی فارمولے کی تائید کرکے فلسطینیوں کی پرزور وکالت کی۔ پوپ گنبد خضری کی زیارت و بیت المقدس سے اظہار عقیدت کے لئے آئے تو فلسطین کے مفتی اعظم محمد حسین نے پوپ سے اپیل کی کہ وہ ستم رسیدہ فلسطینیوں پر اسرائیل کی جانب سے برسائی جانے والی آگ کی برسات رکوانے کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔

پوپ نے اپنی دعا میں کہا کہ یا اللہ اس مقدس سرزمین مشرق وسطیٰ پر اپنی رحمت برسا۔ اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو دو ریاستی فارمولے کو اپنانے پر تیار نہیں۔ وہ گھمنڈ کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ فلسطینیوں کو بزور قوت کچل دیں گے۔ وہ غیر مشروط مذاکرات پر تیار ہیں مگر فلسطینیوں کو ان کے حقوق مہیا کرنے سے انکاری ہیں۔ اب سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیتن یاہو کی فتنہ گری سے دو ریاستی فارمولے کا کیا حشر ہوگا۔ وائٹ ہاؤس کے مرد قلندر سے بھی خیر کی کوئی توقع نہیں کیونکہ ان کے ارد گرد نظر آنے والے مصاحبین و مشیر سارے یہود نواز ہیں۔

اسرائیل دو ریاستی فارمولے کو گریٹر اسرائیل کی موت تصور کرتا ہے۔ گریٹر اسرائیل صرف فلسطین تک محدود نہیں بلکہ اس کے نقشے کے مطابق شمالی افریقہ اور مدینہ منورہ اسی کا حصہ ہوں گے۔ عرب دنیا فلسطینی

باقی صفحہ ۵ پر

انقلاب اور تاریخی شعور

سلمان غازی

قومی زندگی میں ہر تبدیلی کو انقلاب نہیں کہا جا سکتا بلکہ جب معاشرے میں خرابی پیدا ہوتی ہے اور اخلاقی بگاڑ اپنی انتہا کے قریب پہنچ جاتا ہے تو قومیں ان حالات کو تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ پھر یہ خرابی جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی بڑا انقلاب آئے گا اور اس کے داعی کو اُتنی ہی بڑی قربانی بھی دینی پڑے گی۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو نوع انسانی کا سب سے بڑا انقلاب اسلام کی شکل میں آیا جب جزیرۃ العرب کے حالات انتہائی دگرگوں تھے اور سماجی خرابیاں بھی اپنی اس انتہا پر تھیں جہاں نہ تو اس سے قبل پہنچی تھیں اور نہ یقیناً آئندہ کبھی پہنچیں گی۔ اس لئے یہ انقلاب بھی عظیم ہے اور اس کا داعی عظیم ترین ہوا۔

اس سلسلے میں اکثر یہ بات سامنے آتی ہے کہ کسی انقلاب کے لئے تاریخ دانی اور تاریخی شعور ہونا ضروری ہے۔ اگر قوم اس شعور سے محروم ہے تو کم از کم اس شخص کے پاس تاریخی شعور ہونا ضروری ہے جو معاشرے میں کسی انقلاب کا داعی بن سکے۔ لیکن یہاں یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ کیا کسی انقلاب کے لئے صرف تاریخی شعور ہونا کافی ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ تاریخ نگاری کی ابتدا ہی سیرت نگاری سے ہوئی ہے۔ کتب سیرت اور مغازی سے پہلے بھی تاریخ نویسی کی کچھ روایات ملتی ہیں جن میں عموماً بادشاہ یا قومیں اپنی تاریخ ادیبوں یا دانشوروں سے لکھواتے تھے جو اپنے زورِ قلم سے لکھوانے والے کی شان میں رطب اللسان ہوتے تھے اور بعض مرتبہ انہیں مافوق البشر بنا دیتے تھے۔ لیکن فن تاریخ کی ابتداء اسلام آنے کے بعد ہی ہوئی۔ اس لئے اسلام سے پہلے جو انقلابات آئے ان کی وجہ تاریخی شعور نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلے میں دوسرا اشکال یہ سامنے آتا ہے کہ تاریخ نویسی یا اس کا مطالعے کے نتیجے میں شعور پیدا ہونا کوئی وہبی چیز نہیں بلکہ اکتسابی چیز ہے اور یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ نوع انسانی کے معاشرے کی اصلاح کا انحصار اللہ کی بالغ حکمت نے ایک ایسی چیز پر رکھا ہو جس کا ہر زمانے میں ہونے کا امکان ہی نہ ہو۔

ماضی قریب میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو ایک انقلاب کا بانی کہا جاتا ہے، جب مغل بادشاہوں اور درباریوں کی بداعمالیوں کے سبب معاشرہ بالکل بگڑ چکا تھا اور شرک وبدعات اپنی انتہا پر تھیں تب ایک ایسے علمی انقلاب کی ضرورت تھی جو مسلمانوں کو دوبارہ اسلام کی طرف واپس لا سکے۔ حضرت نانوتویؒ کے متعلق ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ تاریخی شعور رکھتے تھے لیکن غور فرمائیں تو گزشتہ صدی میں ایسے بہت سے افراد گزرے ہیں جو بے پناہ تاریخی شعور رکھتے تھے لیکن وہ کسی انقلاب کے داعی نہ بن سکے باوجود اس کے کہ حالات خراب بھی تھے اور مزید خرابی کی طرف گامزن بھی۔ کچھ لوگ جو اہل علم وہنر ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عقل ودانش کی نعمتیں دے رکھی ہیں ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ مسائل پیش آنے کی صورت میں ان کا استعمال کریں گے۔

بعثت رسولؐ کے وقت آپؐ کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ جس کے بعد آپ کو وہ تمام علوم حاصل ہو گئے جو حق تعالیٰ جل شانہٗ نے آپ کو عطا فرمائے تھے اس سے پہلے آپ محض ایک امی تھے اور کسی قسم کا علم نہیں رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب تاریخ ہی سے آپ ناواقف تھے تو تاریخی شعور کا کہاں سوال اٹھتا ہے۔ جس سے یہ بات تو معلوم ہو گئی کہ کسی انقلاب کے لئے تاریخی شعور پہلی سیڑھی نہیں ہے ہاں انقلاب بپا ہونے کے بعد کسی مرحلہ میں اس کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ سیرت کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ نے اپنے اولین چالیس سالوں میں صرف اور صرف سماجی شعور کا استعمال کیا جس کا ایک اہم حصہ اخلاقی شعور ہے۔ گویا کسی بھی انقلاب سے پہلے داعی میں صرف سماجی اور اخلاقی شعور کا ہونا ہی کافی ہے۔ اس شعور کے لئے انسان کو کسی تعلیم کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں شامل فرما دی ہیں اور حقیقتاً وہی اسلام بھی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ اسی لئے جناب رسول اللہؐ نے اپنی جوانی میں اسی فطری خوبی کا بھرپور استعمال کیا۔ یہ حقیقت بھی ہے کہ برائی خود کہہ دیتی ہے کہ وہ برائی ہے یوں انسان اسے نہ مانے تو الگ بات ہے۔ ایک حدیث ہے الاثم ماحاکؐ جس کا مفہوم ہے: گناہ دل میں کھٹک پیدا کرتا ہے یعنی اگر انسان کو نہ بھی بتایا جائے کہ کون سی چیز گناہ ہے تب بھی غلط کام کرتے ہوئے اس کا دل یہ گواہی دے گا کہ یہ کام غلط ہے۔ آپ نے اپنے ابتدائی چالیس سالوں میں اپنے دل کی گواہی پر ہی گناہوں سے اجتناب فرمایا جو بہت ہی مشکل کام ہے اور اسی لئے آپ اس سماج میں سب سے زیادہ نیک اور شریف النفس انسان کہلائے اور رسالت ملنے سے قبل ہی آپ کا لقب امین مشہور ہو گیا، آپ کو لوگ سچا انسان کہتے تھے، آپ کو سب سے زیادہ امانت دار جانتے تھے، آپ کی صلہ رحمی کی قسم کھاتے تھے اور غریبوں اور ناداروں کی مدد میں آپ کو سب سے آگے پاتے تھے۔ غور فرمائیے کہ ان تمام نیکیوں کے سبب آپ نے اپنے سماج میں ایک اعتماد اور بھروسہ قائم فرما دیا اور آپ مکہ میں سب سے زیادہ معتبر سمجھے جانے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نیکیاں تو صرف وجہ ہوتی ہیں اصل چیز وہ اعتبار ہے جو ایسا انسان قائم کر دیتا ہے اور جس کے سبب وہ کسی انقلاب کا امین بننے کے قابل ہو جاتا ہے خواہ اس میں تاریخی شعور ہو یا نہ ہو۔

پھر یہ اعتبار بھی کوئی معمولی قسم کا نہیں بلکہ اس مقام پر ہو کہ جہاں لوگ اس پر اندھا اعتقاد کرنے لگیں اور اس کی ہر بات کو بے چوں وچرا مان لیں جس کی مثال اس واقعے میں ہے کہ آپؐ کوہ صفا پر چڑھ کر تمام قبائل کو آواز دے کر بلاتے ہیں اور جب سب جمع ہو جاتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک عظیم لشکر تم پر حملے کے لئے تیار ہے تو کیا تم مان لوگے؟ اور وہ سب یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ ہاں ضرور مان لیں گے۔ کیونکہ ہم نے تمہیں کبھی جھوٹا نہیں پایا۔ ظاہر ہے جناب رسول اللہؐ کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ آپ کو منصب رسالت پر سرفراز کیا جائے گا لیکن معروضی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو حق تعالیٰ نے اس وقت میں ایک ایسے شخص کو اس منصب کے لئے چنا جو اس کا سب سے زیادہ اہل تھا اور وہ اہلیت اس کے تعلیم، منصب، دولت یا خاندان کے سبب نہیں بلکہ صرف اس کے اس اعتبار کے سبب سے تھی جو اس نے اپنی زندگی کے چالیس برسوں میں اپنے اخلاق اور اعمال سے پیدا کیا تھا۔

بات بظاہر چھوٹی سی لگتی ہے لیکن نبوت سے پہلے کا یہ واقعہ اخلاقیات کی باریکیوں سے ہمیں روشناس کرواتا ہے جو ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب ''محمد رسول اللہؐ'' میں نقل کیا ہے: نبوت سے قبل آپؐ ایک شخص سائب کے ساتھ شراکت کے معاملے پر تجارت فرماتے تھے اسی سائب کا بیان ہے: ''میں محمدؐ کے ساتھ کاروبار میں شریک تھا، جب وہ سامان تجارت لے کر مکہ سے باہر جاتے تو واپسی پر وہ میرے سامان کی خرید وفروخت کا مکمل حساب پیش کرتے۔ یہاں تک کہ وہ بیرون ملک سے آتے ہی گھر جا کر آرام کرنے یا اپنے اہل خاندان سے ملاقات کرنے سے قبل میرے پاس آ جاتے، اس کے برعکس جب مال تجارت لے کر ملک سے باہر جانے کی ذمہ داری میری ہوتی تو میری واپسی پر وہ میرا استقبال کرتے۔ مجھ سے صرف میری صحت اور تندرستی کے بارے میں دریافت فرماتے۔ مال کے سلسلے میں کبھی ایک حرف زبان پر نہ لاتے۔ مشترکہ کاروبار کے سلسلے میں ہم دونوں کے درمیان کبھی اختلاف نہیں ہوا۔'' (ص: ۲۲)

اس اعتبار سے کسی انقلاب کی پہلی سیڑھی داعی کا معتبر ہونا ہے یعنی وہ شخص جو مکمل سماجی شعور رکھتا ہو جس کے سبب وہ سب سے زیادہ بااخلاق بھی ہو۔ رسول اللہ کو یہ اعتبار صرف ایمانداری، سچائی، وفاشعاری کے سبب نہیں ملا تھا بلکہ اس کی بڑی وجہ آپؐ کے غیر معمولی اخلاق تھے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ انقلاب کے داعی میں صرف کسی شعور ہی کا ہونا کافی نہیں بلکہ وہ اس درجہ بااخلاق ہو کہ لوگ اس کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہو کر اس کی ہر بات تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ پھر یہی نہیں وہ ہر بری بات اور مخالفت کو برداشت کرنے کا اہل ہو اور اپنے مخالفین یا ناقد کی بات نہ صرف دلجمعی سے سنے، بلکہ اگر وہ تنقید کریں یا اسے جھٹلائیں تو اسے سننے اور برداشت کرنے کا بھی حوصلہ رکھتا ہو اور اگر مخاطب کرنے والے غلطی پر ہوں تو احسن طریقے پر اپنی بات کو ان کے سامنے پیش کرنے کی صلاحیت بھی ہو۔ اس اعتبار سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک ایسا شخص جو مخالف کی بات سن کر ناراضگی کا اظہار کرے یا معترض سے قطع تعلق کر لے اور اس سے اعراض کرنے لگے وہ کسی انقلاب کا داعی نہیں بن سکتا۔ اس کے اوصاف میں سب سے زیادہ اہم اس کے اخلاق ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ایک حدیث میں انسانیت کا معیار ہی اخلاق حسنہ کو قرار دیا گیا اور فرمایا کہ ''تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہیں۔'' انسان کے نیک اعمال کے ساتھ اس کا حسن اخلاق اسے سماج میں وہ اعتبار دیتا ہے جس کی کسی انقلاب کے لئے سب سے زیادہ ضرورت ہو سکتی ہے۔ اس اعتبار سے رسول اللہؐ کا ہر امتی صرف اخلاق حسنہ پیدا کر کے کسی نہ کسی درجے میں ایک چھوٹے موٹے انقلاب کا داعی بن سکتا ہے۔ یہ انقلاب سماج میں بھی ہو سکتا ہے محلے یا خاندان میں بھی ممکن ہے یا صرف اپنی ذات کی حد تک بھی محدود ہو سکتا ہے۔ سچ پوچھئے تو ہماری اپنی ذات بھی تو ایک دنیا ہی ہے اور معاشرہ افراد ہی سے بنتا ہے۔

انقلاب کے لئے تیسری شرط داعی کی عملی کوشش ہے۔ یعنی اگر وہ صرف زبانی یا تحریری طور پر لوگوں کو انقلاب کی دعوت دے رہا ہے یا صرف اس کا خیال اور خاکہ پیش کر رہا ہے تو ایسا شخص کبھی کسی انقلاب کا نقیب نہیں بن سکتا۔ رسول اللہؐ سب سے زیادہ کامیاب انقلاب کے بانی ہیں کیونکہ آپؐ کی پوری زندگی ہی عمل سے عبارت ہے، گزشتہ صدی میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی مثال دی جا سکتی ہے کہ آپ نے ایک علمی انقلاب کے ذریعہ برصغیر اور مشرق بعید کے مسلمانوں کے دین اور اخلاق کی حفاظت کا نظم قائم کرنے کا بیڑہ اٹھایا تو صرف خیال ہی نہیں پیش کیا بلکہ پہلے اس پر خود عمل کیا اور ضرورت پڑنے پر جہاد بھی کیا۔ ان کا عمل ایک مدرسے کا قیام تھا جو کمیت کے اعتبار سے اتنا چھوٹا تھا کہ ممکن ہے ایک تاریخ کے طالب علم کو اس پر ہنسی آئے جب وہ پڑھے کہ قصبہ دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد چھتہ کے صحن میں ایک انار کے درخت کے نیچے صرف ایک شاگرد محمود الحسن کو ایک استاذ محمود نے پہلا سبق دیا۔ یقیناً اس وقت مولانا قاسمؒ کے ذہن میں یہ بات رہی ہوگی اور ان کا یہ عمل زبانِ حال سے یہ کہتا نظر آتا ہے کہ یا اللہ! آج ہماری اس سے زیادہ وسعت نہیں لیکن یہ اس لئے ہے کہ جتنا ممکن تھا ہم نے عمل کر کے دکھا دیا اب آپ ہی اس میں خیر اور برکت عطا فرما دیں اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مدرسہ نہ صرف ایک عظیم درسگاہ بن گیا بلکہ ہزاروں اور لاکھوں مدرسوں کے لئے بنیاد بھی بن گیا جب یہاں کے فارغین نے پورے برصغیر ہی نہیں بلکہ، افغانستان، عرب، افریقہ، ملیشیا اور انڈونیشیا تک جا کر مدارس قائم کر دئے اور انہی کی شاخیں اب یورپ اور امریکہ میں بھی نظر آتی ہیں اس لئے دارالعلوم دیوبند صحیح معنوں میں عالمی طور پر اُم المدارس (تمام مدرسوں کی ماں) ہے۔ اگر مولانا قاسم نانوتویؒ اس وقت وہ ایک چھوٹا سا عملی نمونہ پیش نہ کرتے تو عجب نہیں کہ اس کا ذہنی خاکہ بھی ناکام انقلابوں کی تاریخ میں رقم ہو گیا ہوتا۔

عموماً ہم کسی انقلاب کو سیاسی یا اقتصادی کہہ دیتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہر انقلاب صرف اخلاقی انقلاب ہوتا ہے یعنی انقلاب اسی وقت آتا ہے جب اخلاقی قدریں پامال ہوتی ہیں اور اس کے نتیجہ میں لوگ اس نظام کو جبراً تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ روس کا اشتراکی انقلاب بظاہر اقتصادی انقلاب نظر آتا ہے لیکن اس کا سبب سماجی نابرابری اور استحصال ہی تو تھا جو اخلاقی زوال کی علامات ہیں۔ غور فرمائیں کہ ہر انقلاب سے پہلے عوام کے ساتھ جو ناانصافیاں اور استحصال سماج میں ہوتا ہے وہ سیاسی یا اقتصادی نہیں بلکہ اخلاقی انحطاط کے سبب ہوتا ہے۔ وہ لوئی کا فرانس ہو یا زار کا روس ہر جگہ انقلاب سے پہلے جو عوامی استحصال نظر آتا ہے وہ دراصل اخلاقی زوال کے سبب سے ہے یعنی بگاڑ اخلاقی قدروں کی پامالی سے پیدا ہوا۔ اسلام نے اسی لئے اخلاقیات کو سب سے اہم درجہ دے کر کسی انقلاب کا راستہ ہی بند کر دیا بلکہ اپنی سیرت سے ہمیں ایک رسولؐ نے عملی طور پر راہ مستقیم بھی بتلا دی۔ مسلم معاشرے میں اب بگاڑ اسی وقت ممکن ہے جب رسول اللہؐ کی بتائی ہوئی راہ سے انحراف ہوگا۔ گویا ہمارے عوام اور خواص کے لئے ایک پٹری بنائی گئی ہے جس پر ہمیں چل کر منزلِ مقصود تک پہنچنا ہے۔ اگر ہم اس پٹری سے اتر جائیں گے تو حادثات کا شکار ہونا لازمی بات ہے اس لئے مسلمانوں کے لئے سچ پوچھئے تو اب کوئی انقلاب ہی نہیں کیونکہ وہ تو چودہ سو سال قبل آ چکا ہے اب تو صرف اس اخلاقی نظام کو باقی رکھنا ہے اور راہ مستقیم سے انحراف کو روکنا ہے اور اگر کہیں ہم اس سے منحرف ہو گئے تو دوبارہ اس پر آنے کو ہم مجازی طور پر انقلاب کہہ سکتے ہیں جس کی کلید صرف ہمارا اخلاقی نظام ہے جو ہمیں اس راہ پر قائم رکھتا ہے اور اسی لئے بہت آسان انداز میں اس کا کلیہ بھی بتا دیا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔'' غور فرمائیے کہ کوئی امیر ہو یا بادشاہ، خواص میں سے ہو یا عوام میں اگر دوسرے کے لئے بھی وہی پسند کرنے لگے جو خود اپنے لئے کرتا ہے تو اس بنیادی اخلاقی کلیے

باقی صفحہ ۸ پر

بقیہ: کیا دُعا کے لئے اخفاء بھی ضروری ہے

جن کی وجہ سے اللہ کی زمین پر فساد برپا ہو رہا تھا بلکہ ان کا جرم یہ تھا کہ وہ خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر دوسروں کو بھی اپنا حاجت روا تسلیم کرتے تھے۔ اپنی زندگی کے لئے ایسے اصول وقوانین تسلیم کرتا جو خدا کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر دوسروں کی رہنمائی میں بنائے گئے ہوں یہی وہ بنیادی فساد ہے جس سے دنیا کے انتظام میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ قرآن اسی فساد کو روکنا چاہتا ہے۔

''جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہو'' کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ رقم طراز ہیں ''انسان کی زندگی کی ابتداء جہالت ووحشت اور شرک وبغاوت اور اخلاقی بدنظمی سے نہیں ہوئی ہے جس کو دور کرنے کے لئے بعد میں بتدریج اصلاحات کی گئی ہوں۔ بلکہ فی الحقیقت انسانی زندگی کا آغاز صلاح سے ہوا ہے اور بعد میں اس درست نظام کو غلط کار انسان اپنی حماقتوں اور شرارتوں سے خراب کرتے رہے ہیں۔ اسی فساد کو مٹانے اور نظام حیات کو از سر نو درست کر دینے کے لئے اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبر بھیجتا رہا ہے اور انہوں نے ہر زمانے میں انسان کو یہی دعوت دی ہے کہ زمین کا انتظام جس صلاح پر قائم کیا گیا تھا اس میں فساد برپا کرنے سے باز آ ؤ۔''

اخفاء یعنی جو ظاہر نہ ہو۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس کا اظہار نہ کیا جائے اخفاء کہلائے گا۔ جب ہم تنہائی میں چھپ کر کسی کے ساتھ گفتگو کر رہے ہوتے ہیں تو وہ بھی اخفاء ہوتا ہے اور جب ہم دوسرے لوگوں کی موجودگی میں چپکے چپکے کسی سے بات کرتے ہیں تو حالانکہ دوسرے لوگ بات کرتے ہوئے ہمیں دیکھ رہے ہوتے ہیں لیکن جو بات ہم کر رہے ہوتے ہیں اس کا علم دوسروں کو نہیں ہوتا۔ یعنی عملاً ہم کیا کر رہے ہیں یہ تو دیکھنے والوں پر ظاہر ہوتا ہے لیکن کیا بات کی جا رہی ہے، اس کا اخفاء ہی ہوتا ہے۔ اب مشرکین مکہ کے حالات کو ذہن میں رکھتے ہوئے غور کریں کہ زیر بحث آیت میں خفیہ کے کون سے معنی زیادہ مناسب ہوں گے۔ اگر اس لفظ کا ترجمہ ''چپکے چپکے'' کیا جاتا ہے تو بات پوری طرح صاف ہے کہ مشرکین مکہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ اب تک جس طرح تم رسولؐ خدا کی مخالفت اور خدا کی نافرمانی کرتے رہے ہو۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہوگا کہ تم ان حرکتوں سے باز آ جاؤ اور ایمان قبول کرتے ہوئے اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور عاجزی، انکساری کے ساتھ، رو رو کر، گڑگڑاتے ہوئے، چپکے چپکے، رحمت ومغفرت، اور معافی کے لئے خدا سے دعائیں کیا کرو۔ اس کے برخلاف اگر یہاں خفیہ کا ترجمہ ''چھپ چھپ کر'' کیا جاتا ہے تو بات پوری طرح صاف نہیں ہو پاتی۔ اب ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ سے چھپ چھپ کر دعا کرنے کے لئے کیوں کہا جا رہا ہے۔ اس بات کو سورہ انعام میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

''اے محمدؐ! ان سے پوچھو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے۔ کون ہے جس سے تم (مصیبت کے وقت) گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو۔'' (سورہ انعام: ۶۳)

یہاں بھی خطاب کفار ومشرکین کی طرف ہے۔ غور کیجئے انسان اچانک کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے اور نجات کا کوئی رستہ اسے نظر نہیں آتا تو وہ رو رو کر، گڑگڑاتے ہوئے چپکے چپکے دعائیں کیا کرتا ہے یا پہلے چھپنے کی جگہ تلاش کرتا ہے، اس کے بعد روتا اور گڑگڑاتا ہے۔ آپ اگر یہ کہتے ہیں کہ کہیں جگہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہیں خاموشی کے ساتھ رو رو کر بھی دعا کی جا سکتی ہے تو میں کہوں گا کہ اسی کو تو ''چپکے چپکے'' کہا جاتا ہے۔ ایک شخص سمندر میں، لوگوں کے ساتھ سفر کر رہا ہے۔ اچانک سب لوگ مصیبت کے شکار ہو جاتے ہیں۔ اب کوئی شخص خدا سے دعا کرنا چاہتا ہے تب اس سے کہا جاتا ہے کہ تجھے چھپنا بھی ہے اور گڑگڑانا بھی ہے۔ اس طرح تو وہ ایک ایسا چور ہوگا جو چھپ چھپ کر چوری بھی کرتا ہے اور چلا چلا کر لوگوں کو آواز بھی دیتا ہے۔ سورۂ انعام اور سورہ اعراف دونوں جگہ گڑگڑانا اور چپکے چپکے دونوں الفاظ ایک ساتھ استعمال کئے گئے ہیں۔ اب اگر دعا کا چھپانا ضروری ہے تو پھر دعا میں گڑگڑانا بھی فرض ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص گڑگڑا کر دعائیں نہیں مانگتا تو وہ بھی اسی طرح خدا کا نافرمان ہوگا جس طرح دعا کا اظہار کرنے والا ہو جاتا ہے۔ کیا واقعی ہر وقت اور ہر ضرورت پر انسان کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ ہر دعا کے موقع پر رو رو کر اور گڑگڑا کر دعائیں کیا کرتا ہے۔

اب ذرا اس بات پر بھی غور کر لیجئے کہ اگر دعا کے ساتھ یہ شرط لگا دی جائے کہ دعا کرتے وقت اخفاء بھی ہونا چاہئے اور گڑگڑانا بھی ہے۔ تو کیا اس طرح دعا کرنا ممکن بھی ہوگا یا نہیں۔ آج ہمارے یہاں مسجدوں میں، فرض نمازوں کے بعد دعا مانگنے کا جو طریقہ رائج ہے۔ اس کو اگر چھوڑ دیا جائے تو سوچئے کیا ہوگا۔ فرض نمازوں کے بعد کچھ لوگ، مسجد میں ادھر اُدھر بیٹھ کر گڑگڑا کر دعائیں کر رہے ہیں۔ اس موقع پر اگر ہاتھ نہ بھی اٹھائے جائیں تو بھی لوگ سمجھ ہی جائیں گے کہ نماز کے بعد اب یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ اسی طرح لوگ حج کے لئے جاتے ہیں وہاں تو لوگوں کا جم غفیر ہوتا ہے۔ آپ تو چھپنے چھپانے کی جگہ ہی تلاش کرتے رہ جائیں گے۔ حج کے موقع پر دعا نہیں مانگ سکتے، مسجد میں بیٹھ کر دعا نہیں کی جا سکتی تو اب ایک راستہ باقی ہے کہ آپ رات کی تنہائی میں، گھر والوں سے چھپتے چھپاتے ہوئے اٹھتے ہیں۔ وضو کرتے ہیں۔ مصلّے پر کھڑے ہوتے ہیں، دو چار رکعت نفل نماز پڑھتے ہیں اور بغیر ہاتھ اٹھائے رونا اور گڑگڑانا شروع کر دیتے ہیں تو کوئی دیکھے نہ دیکھے اہل خانہ سے تو یہ بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ اخفاء اگر ضروری ہے تو گھر والوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ گھر والوں کو کس بنیاد پر اس سے خارج کیا جائے گا۔ یہاں قابل غور بات یہ بھی ہے کہ کتنے افراد ہوں گے جو اس طرح راتوں کو اٹھ کر گھر کی تنہائیوں میں دعا مانگنے پر قادر ہوں، جہاں فرض نماز پڑھنا لوگوں کے لئے ایک مشکل کام ہو وہاں یہ امید کرنا ہی بے معنی ہوگا کہ لوگ راتوں کو اٹھ کر گھر کی تنہائیوں میں دعائیں کیا کریں گے۔ نوجوانی میں عموماً نیند کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے، مزدور لوگ یا جو لوگ محنت ومشقت کا کام کرتے ہیں، ان کے لئے تو راتوں کو اٹھ کر دعائیں مانگنا تقریباً ناممکن سا کام ہے۔ خیال کیجئے کتنے افراد ہوں گے جو اس طرح دعاؤں سے محروم ہو جائیں گے۔ اس طرح اگر کچھ لوگ اخفاء پر قائم رہتے ہوئے دعا کرنے پر قادر بھی ہوں تو بھی عوام الناس کے لئے تو بڑی مشکل ہوگی۔ دعا نہ ہوگی کوئی جرم ہو گیا جو دوسروں سے چھپا کر کرنا پڑ رہا ہے۔ لوگ تو چھپنے چھپانے کے چکر میں ہی رہا کریں گے اور اس کے بعد بھی ڈر لگا رہے گا کہ آج گھر والوں کو معلوم ہوا ہے کل باہر والوں کو بھی معلوم ہو جائے گا اور زمین پر فساد کی شروعات ہو جائے گی۔ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ خدا اپنے بندوں کے لئے آسانیاں فراہم کرنا چاہتا ہے وہ لوگوں کو مشکلات میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

دعا کے معنی پکارنا ہوتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ جب کسی شخص کو دور سے آواز دی جاتی ہے تو اسے پکارنا کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے دور سے پکارنے میں اخفاء نہیں ہوا کرتا۔ لیکن ساتھ ہی ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ خدا ہمارے دلوں کی پکار سننے پر بھی قادر ہے۔ اب اگر خدا کو تیز آواز میں پکارا جاتا ہے تو اخفاء نہیں ہوتا اور اگر دل ہی دل میں یا پھر ہلکی آواز کے ساتھ، جس طرح نماز میں پڑھا جاتا ہے تو اسے چپکے چپکے کہا جائے گا۔ خدا نے اگر ایسا لفظ استعمال کیا ہے جس میں دور سے آواز نہ دینے کا مفہوم بھی نکلتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وقت وحالات کے اعتبار سے کسی بھی طرح اسے پکارا جا سکتا ہے۔ وہ صرف یہ وضاحت کرتا ہے کہ دعا مانگنے کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ اس لئے فرمایا جاتا ہے کہ پوری رغبت کے ساتھ، گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے اپنی التجائیں پیش کی جائیں۔ خدا کے نزدیک یہ زیادہ پسندیدہ طریقہ ہوگا۔ لیکن چپکے چپکے دعائیں مانگنے کے لئے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ اگر کسی بھی طریقے سے دعا کا اظہار ہو جاتا ہے تو یہ خدا کی نافرمانی ہوگی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کچھ خاص مقامات اور اوقات میں نفل نماز پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے علاوہ نفل نماز پڑھنا منع ہے۔ اس بات کو اس مثال کے ذریعہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے سے یہ کہتا ہے کہ ''صبح سویرے اُٹھ کر پڑھا کرو'' تو حالانکہ یہاں بظاہر حکم کا صیغہ استعمال ہوا ہے لیکن حقیقتاً یہاں باپ کی طرف سے بیٹے کو ایک مشورہ دیا جا رہا ہے کہ مطالعہ کرنے کے لئے بہترین صبح سویرے کا ہوا کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ قطعی نہیں ہوگا کہ بیٹا اگر صبح سویرے کے علاوہ دوسرے اوقات میں مطالعہ کرتا ہے تو وہ اپنے باپ کے حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ یہاں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا کہ باپ کا مشورہ نہ مان کر، مطالعہ کے لئے جو بہترین وقت ہے بیٹا اسے گنوا رہا ہے۔ اسی طرح دعا کے تعلق سے بھی یہی کہا جائے گا کہ جو لوگ راتوں کی تنہائیوں میں خدا کے سامنے نہیں گڑگڑاتے وہ اس کے فائدوں سے محروم رہتے ہیں۔ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مانگنے میں تحقیر کا پہلو نکلتا ہے۔ انسان جب ہاتھ اُٹھا کر خدا سے دعا کر رہا ہوتا ہے تو اس کا یہ عمل اس بات کی علامت ہے کہ خدا کے سامنے وہ اپنی کمزوری اور بے بسی کا اظہار کر رہا ہے۔ اسی لئے دعا میں ہاتھ اٹھانے کو دعا کے آداب میں شامل کیا گیا ہے۔

زیر بحث آیت میں اب صرف ایک لفظ رہ جاتا ہے ''حد سے گزرنا'' یعنی حق سے تجاوز کرنا، میرے ذہن سے یہ بات نکل گئی ہے کہ مولانا مودودیؒ نے اس کی تشریح کہاں کی ہے۔ اس لئے میں اس کا حوالہ تو نہیں دے سکتا لیکن انہوں نے جو کہا ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔ ''ہر وہ شخص جو اللہ کے سوا دوسروں کی خدائی تسلیم کرتا ہے یا خود خدا بن بیٹھتا ہے یا خدا سے باغی ہو کر زندگی گزرتا ہے۔ وہ حقیقت میں عقل وانصاف کی تمام حدوں کو پھاندنے والا ہے یعنی حد سے گزرنے والا انسان ہے۔ لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر جو دوسرے معبود بنا لئے ہیں اور ان کے لئے جو طرح طرح کے عقائد گھڑ لئے ہیں۔ ان کے آستانوں پر سرنیاز جھکایا جا رہا ہے، دعائیں مانگی جا رہی ہیں، چڑھاوے چڑھائے جا رہے ہیں، طواف کیا جا رہا ہے۔ یہاں انہیں جاہلانہ خیالات کی مذمت کی جا رہی ہے کہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ کی ذات وصفات اور اختیارات میں کسی بھی طرح سے دوسرے کو شریک کرنا یہ ہے وہ فساد جس سے یہاں لوگوں کو روکا گیا ہے۔''

اسی آیت میں آگے چل کر مزید وضاحت کر دی جاتی ہے کہ صرف خدا کو ہی پکارو اور اس کو پکارنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ خوف اور طمع کے ساتھ اسے پکارا جائے۔ خدا کے بارے میں بندے کو یقین ہونا چاہئے کہ صرف وہی ہے جو ہمیں مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات دلا سکتا ہے اور ہماری خواہشات وضروریات کی تکمیل کر سکتا ہے۔

اس طرح زیر بحث آیت کا صحیح مفہوم یہ ہوگا کہ خدا کفار ومشرکین کو مخاطب کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اللہ کے رسول کی مخالفت اور خدا کی نافرمانی کر کے، اب تک جو غلطی تم کر چکے ہو اس کی معافی کا ایک ہی طریقہ ہے کہ رو رو کر، گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے اپنے رب کو پکارو اور گناہوں سے توبہ کرو، وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا یعنی خدا کو چھوڑ کر تم نے جو دوسرے رب بنا لئے ہیں اللہ ایسے حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ انبیاء ہمیشہ سے اصلاح کا کام کرتے رہے ہیں لیکن بعد میں انسان اس درست نظام کو اپنی حماقتوں اور جہالت کے سبب، شرک میں مبتلا ہو کر، بگاڑ پیدا کرتا رہا ہے۔ کسی درست نظام کو بگاڑ کر زمین میں فساد برپا نہ کرو اور خدا ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ یعنی تمہیں اسی سے ڈرنا چاہئے اور تمہاری تمام امیدیں اسی سے وابستہ ہونی چاہیں۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ کی رحمت یقیناً نیک کردار لوگوں کے قریب ہے۔

اس بات کو سورہ المومنوں: ۱۱۷ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: ''پس بالا وبرتر ہے اللہ بادشاہ حقیقی، کوئی خدا اس کے سوا نہیں ہے۔ مالک ہے عرش بزرگ کا اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے جس کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے ایسے کافر کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔''

●●

بقیہ: سرطان کیا ہے

اس کا سبب بننے والے عوامل تمباکو اور شراب سے مکمل پرہیز کے علاوہ درست غذا اور ورزش پر توجہ دے کر اس کی گرفت سے بچا جا سکتا ہے۔ مہلک قسم کے وائرسوں سے تحفظ بھی ضروری ہے۔ اسی طرح پیشہ وارانہ کام کے دوران لاحق ہونے والے مختلف عوامل سے تحفظ بھی مفید ثابت ہوتا ہے اور سورج کی حرارت سے بچاؤ بھی ایک مؤثر تدبیر ہوتی ہے۔ سرطان کی بروقت تشخیص اور پھر علاج سے اس کا خطرہ تین گنا کم ہو جاتا ہے۔ یہ بات مشاہدے میں آ چکی ہے کہ مرض کے وقت تشخیص کی صورت میں علاج زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ مرض جوں ہی جسم کے کسی حصے میں نمودار ہو اسی وقت تشخیص کر کے اس کا علاج کروانا چاہئے۔

اس سلسلے میں ضروری یہ ہے کہ مرض کے بارے میں لوگوں میں شعور پیدا کیا جائے۔ جب بھی جسم میں سخت یا نرم قسم کی گٹھلیاں اور ان میں درد، مستقل بدہضمی، مسلسل کھانسی ہو اور جسم کے خارجی مقامات سے خون خارج ہونے لگے۔ مثانہ وغیرہ سے تو فوری طور پر معالج سے طبی امداد حاصل کی جائے۔

چھاتی کے سرطان کے علاوہ فم رحم سے خون کے اخراج کے لئے ٹیسٹ کی سہولتیں تقریباً تمام اہم اسپتالوں میں دستیاب ہیں۔ سرطان کے علاج کا مقصد مرض سے شفا، عمر میں اضافہ اور معیار زندگی کی بہتری ہوتا ہے۔ چھاتی، رحم، بڑی آنت اور مقعد کے سرطان کی مکمل صحت یابی کی شرح سب سے زیادہ رہتی ہے۔ بشرطیکہ بروقت تشخیص اور درست علاج ہو اس کے اہم علاج میں اشعاعی علاج، سرجری اور کیموتھراپی شامل ہیں۔ ایک مرتبہ پھر یہ بتانا ضروری ہوتا ہے۔ ان میں الٹرا ساؤنڈ، انڈوسکوپی، ریڈیو گرافی اور لیباریٹری ٹیسٹ شامل ہیں۔ (میڈیا اسٹار)

●●

بقیہ: بیت المقدس کی......

ریاست کے عوض اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرنے تک تیار ہے۔ شاہ عبداللہ کے امن فارمولے کی ساری دنیا اور اسرائیل تک نے توصیف کی مگر وہ اس کو سینے سے لگانے کے لئے تیار نہیں کیونکہ وہ اسرائیل اور فلسطین سے سارے فلسطینیوں کو دربدر کرنا چاہتا ہے۔ بیت المقدس کی اسلامی شناخت پر صلیبیت کی سیاہی پھیرنا اسرائیلی حکومت کا مقصد ہے۔ قبلہ اول کی آزادی کے لئے مسلمانوں کو ہی سربکف ہو کر یہودیوں کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا۔

●●

لوک سبھا کے انتخابات اور ملک کی سیاسی پارٹیاں

پہلی لوک سبھا (۱۹۵۲-۵۷ء)

ملک میں پہلا لوک سبھا الیکشن ۱۹۵۲ء میں ہوا تھا۔ ۴۸۹ نشستوں کے لئے ہوئے انتخابات میں کانگریس کو ۴۵ فیصد ووٹوں کے ساتھ ۳۶۴ نشستوں پر کامیابی ملی تھی۔ جن سنگھ کو صرف تین اور سی پی آئی کو ۱۶ نشستیں ملی تھیں جب کہ ۳۸ حلقوں میں آزاد اُمیدوار کامیاب ہوئے تھے اور دیگر پارٹیوں کے امیدواروں کو ۶۸ نشستیں ملی تھیں۔ اس الیکشن میں ووٹنگ کا تناسب ۴۴،۸۷ فیصد تھا۔ الیکشن کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو دوبارہ وزیر اعظم بن گئے اور جی وی ماؤلنکر لوک سبھا کے پہلے اسپیکر منتخب ہوئے تھے۔ اس الیکشن کی ایک خاص بات یہ تھی کہ پنڈت نہرو کی کابینہ کے دو ممبران ڈاکٹر شیاما پرساد مکھرجی اور دلت لیڈر ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے اپنی الگ پارٹی بنا کر کانگریس کے خلاف الیکشن لڑا تھا۔ اس لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد ۲۱ تھی۔

دوسری لوک سبھا (۱۹۵۷-۶۲ء)

پہلی لوک سبھا کی میعاد پوری ہونے کے بعد ۱۹۵۷ء میں دوسری لوک سبھا کے لئے عام انتخابات ہوئے۔ نشستوں کی تعداد ۴۸۹ سے بڑھ کر ۴۹۴ ہوگئی۔ کانگریس کو پھر ۴۸ فیصد ووٹ اور ۳۶۱ نشستیں ملیں جب کہ جن سنگھ کو ۴، سی پی آئی کو ۲۷، پرسوپا کو ۱۹ اور دیگر کو ۳۱ نشستوں پر کامیابی ملیں جب کہ ۴۲ آزاد اُمیدوار کامیاب ہوئے۔ انتخابات کے بعد پنڈت نہرو تیسری بار وزیر اعظم بنے جب کہ ایم انت شینم آینگر اسپیکر منتخب ہوئے۔ اسی الیکشن میں فیروز گاندھی رائے بریلی سے منتخب ہوئے تھے جنہوں نے بعد میں اندرا گاندھی سے شادی کی تھی۔ اس لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد جہاں ۲۴ تھی خواتین ممبران کی تعداد ۲۲ تھی۔

تیسری لوک سبھا (۱۹۶۲-۶۷ء)

''دوسری لوک سبھا کی میعاد پوری ہونے کے بعد جب عام انتخابات ہوئے تو پھر کانگریس برسراقتدار آئی۔ لوک سبھا کی تشکیل ۱۹۶۲ء میں ہوئی تھی۔ اس وقت ہندوستان کے تعلقات پاکستان اور چین کے ساتھ کافی خراب ہوگئے تھے۔ چین کے ساتھ جنگ بھی ہوئی تھی جس میں ہندوستان کی شکست کے بعد وزیر دفاع کرشنا مینن کو ہٹادیا گیا تھا۔ ۲۷/مئی ۱۹۶۴ء کو پنڈت نہرو کی موت کے بعد گلزاری لال نندا دو ہفتے کے لئے عبوری وزیر اعظم بنائے گئے پھر لال بہادر شاستری کو وزارت عظمیٰ کا حلف دلایا گیا۔ اس لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد جہاں ۲۳ تھی خواتین ممبران کی تعداد ۳۱ تھی۔

چوتھی لوک سبھا (۱۹۶۷-۷۱ء)

تیسری لوک سبھا کی میعاد پوری ہونے کے بعد ۱۹۶۷ء میں عام انتخابات ہوئے، اس وقت لوک سبھا کی نشستوں کی تعداد بڑھ کر ۵۲۰ ہوگئی تھی۔ ووٹنگ کا تناسب ۴۷،۷ فیصد رہا۔ کانگریس کی نشستیں گھٹ کر ۲۸۳ ہوگئیں۔ اندرا گاندھی نے ۱۳/مارچ ۱۹۶۷ء کو وزارت عظمیٰ کا حلف لیا۔ پارٹی کے اندر اختلافات کو دور کرنے کے لئے اندرا گاندھی نے پہلی بار ملک میں ڈپٹی وزیر اعظم بنایا۔ مرارجی ڈیسائی ڈپٹی وزیر اعظم کے علاوہ وزیر مالیات بھی بنائے گئے تاہم اختلافات دور نہیں ہوئے۔ ۱۹۶۹ء میں کانگریس دو گروپوں میں تقسیم ہوگئی۔ مسٹر ڈیسائی کی قیادت میں کانگریس پارٹی بنی اور اندرا گاندھی کی قیادت میں کانگریس (آئی) بنی۔ اس لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد ۲۹ تھی، خواتین ممبران کی تعداد ۲۹ تھی۔

پانچویں لوک سبھا (۱۹۷۱-۷۷ء)

اس بار کے لوک سبھا انتخابات میں اندرا گاندھی کے ''غریبی ہٹاؤ'' نعرے کے باعث کانگریس (آئی) کو ۵۱۸ میں سے ۳۵۲ نشستیں ملیں جب کہ مخالف کانگریس گروپ کو صرف ۱۶ نشستیں، ووٹنگ کا تناسب ۵۵ فیصد رہا۔ ۱۹۷۵ء میں اندرا گاندھی نے ملک میں ایمرجنسی کا اعلان کردیا اور مخالف لیڈروں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ ایمرجنسی کی وجہ سے لوگ کانگریس سے ناراض ہوگئے۔ اس لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد ۳۰ تھی اور خواتین ممبران کی تعداد ۲۱ تھی۔

چھٹی لوک سبھا (۱۹۷۷-۸۰ء)

ایمرجنسی اور اندرا گاندھی کی تانا شاہی کو انتخابی ایشو بنا کر آزادی کے بعد پہلی بار اپوزیشن پارٹیاں کانگریس کو شکست دے کر اقتدار سے باہر کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ جنتا پارٹی کو ۵۴۲ میں سے ۲۹۵ نشستیں اور کانگریس کو صرف ۱۵۴ نشستیں ملیں۔ اندرا گاندھی اور ان کے بیٹے سنجے گاندھی بھی اپنے حلقوں میں ہار گئے۔ سی پی ایم کو ۲۲، سی پی آئی کو ۷ اور دیگر کو ۵۵ نشستیں ملیں جب کہ ۹ آزاد اُمیدوار کامیاب ہوئے۔ مرارجی ڈیسائی وزیر اعظم تو بن گئے لیکن پارٹی میں زبردست اختلافات اور جن سنگھ کے لیڈران کی دوہری رکنیت پر اعتراض اور ہٹ دھرمی کے باعث ان کی حکومت تین سال سے زیادہ نہیں چلی اور وسط مدتی انتخابات کی نوبت آ گئی۔ اس لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد ۳۴ اور خواتین ممبران کی تعداد ۱۹ تھی۔

ساتویں لوک سبھا (۱۹۸۰-۸۴ء)

جنتا پارٹی کے لیڈروں کے درمیان زبردست اختلاف اور ملک میں عدم استحکام کے ماحول کا فائدہ اٹھا کر کانگریس نے الیکشن میں ۵۲۹ میں سے ۳۵۳ نشستیں حاصل کرلیں۔ ووٹنگ کا تناسب ۵۷ فیصد رہا۔ جنتا پارٹی کو صرف ۳۱ حلقوں میں کامیابی ملی۔ زبردست اکثریت سے حکومت چلانے کے باوجود کانگریس سرکار پر شروع سے تنقیدیں ہوتی رہیں اس لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد ۴۹ تھی اور خواتین ممبران کی تعداد ۲۸ تھی۔

آٹھویں لوک سبھا (۱۹۸۴-۸۹ء)

۳۱/اکتوبر ۱۹۸۴ء کو اندرا گاندھی کے قتل کے بعد ہوئے انتخابات میں کانگریس کے ساتھ لوگوں کی ہمدردی رہی۔ اندرا گاندھی کے قتل کے بعد لوک سبھا کی میعاد پوری ہونے سے قبل تحلیل کردی گئی، راجیو گاندھی کو عبوری وزیر اعظم بنادیا گیا تھا۔ نومبر ۱۹۸۴ء میں جب انتخابات کا اعلان ہوا۔ تو راجیو گاندھی نے جدید ہندوستان کی تعمیر اور ترقی کے نام پر الیکشن لڑا۔ ۵۴۲ نشستوں کے لئے ہوئے انتخابات میں کانگریس کو تاریخی ۴۱۵ نشستیں ملیں اور جن سنگھ سے بنی بی جے پی کو دو نشستیں ملیں۔ ووٹنگ کا تناسب ۶۳ فیصد تھا۔ اس لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد ۴۶ تھی اور خواتین ممبران کی تعداد ۴۲ تھی۔

نویں لوک سبھا (۱۹۸۹-۹۱ء)

بوفورس اسکینڈل، دہشت گردی اور رام مندر تحریک کے سائے میں ہوئے نویں لوک سبھا کے انتخابات میں کانگریس کو سب سے زیادہ ۱۹۷، نو تشکیل شدہ جنتادل کو ۱۴۳ اور بی جے پی کو ۸۵ نشستیں ملیں، جنتادل کی قیادت میں پانچ پارٹیوں کے قومی مورچہ کی سرکار بنی۔ وی پی سنگھ وزیر اعظم بنے اور بی جے پی نے باہر سے حمایت کا اعلان کیا لیکن ایل کے آڈوانی کی رتھ یاترا بہار میں روکنے کے باعث بی جے پی نے ایک سال کے اندر ہی حمایت واپس لے کر حکومت گرادی۔ اس کے بعد چندر شیکھر کانگریس کی حمایت سے وزیر اعظم بنے۔ راجیو گاندھی کی جاسوسی کرانے کے مسئلہ پر چار ماہ بعد ہی یہ سرکار بھی گرادی گئی اور وسط مدتی انتخابات کی نوبت آ گئی۔ اس لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد ۲۸ تھی اور خواتین ممبران کی تعداد ۲۹ تھی۔

دسویں لوک سبھا (۱۹۹۱-۹۶ء)

دسویں لوک سبھا کے انتخابات منڈل کمیشن کی سفارش پر ریزرویشن دینے، رام مندر تحریک کی وجہ سے سماج میں پھیلی کشیدگی اور راجیو گاندھی کے قتل کے سائے میں ہوئے، کانگریس کو ۲۳۲، بی جے پی کو ۱۲۰، جنتادل کو ۵۹، سی پی آئی کو ۱۴، سی پی ایم کو ۳۵ اور آزاد و دیگر کو ۶۱ نشستیں ملیں۔ حکومت سازی کے لئے اکثریت نہ ہونے کے باوجود کانگریس کے پی وی نرسمہا راؤ نے جھارکھنڈ مکتی مورچہ اور دیگر کئی پارٹیوں کی حمایت سے پورے پانچ سال حکومت چلائی۔ اسی حکومت میں ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد شہید کردی گئی۔ اس لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد ۲۸ تھی اور خواتین ممبران کی تعداد ۳۷ تھی۔

گیارہویں لوک سبھا (۱۹۹۶-۹۸ء)

کانگریس کے خلاف عوام کی زبردست ناراضگی خصوصاً مسلمانوں کی دوری کی وجہ سے ہوئے انتخابات میں بڑے پیمانے پر ووٹ تقسیم ہوئے، نتائج معلق پارلیمنٹ کی صورت میں سامنے آئے جس کی وجہ سے دو سال کے اندر تین وزیر اعظم بن گئے۔ سب سے پہلے ۱۶۱ نشستیں حاصل کرنے والی بی جے پی کی حکومت اٹل بہاری باجپئی کی قیادت میں بنی جو ۱۳ دن بعد ہی پارلیمنٹ میں اکثریت ثابت نہ کرنے کے باعث مستعفی ہوگئی، پھر جنتادل کے لیڈر ایچ ڈی دیوے گوڑا نے یونائیٹڈ فرنٹ سرکار کے وزیر اعظم کے طور پر کام کاج سنبھالا۔ یہ حکومت ۱۸ مہینے چلی، اپریل ۱۹۹۷ء میں کانگریس کی حمایت سے اندر کمار گجرال وزیر اعظم بنے لیکن ایک سال کے اندر ہی کانگریس نے حمایت واپس لے کر حکومت گرادی اور وسط مدتی انتخابات ہوئے۔ اس لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد ۲۸ تھی اور خواتین ممبران کی تعداد ۴۰ تھی۔

بارہویں لوک سبھا (۱۹۹۸-۹۹ء)

ملک کی بارہویں لوک سبھا ۱۰/مارچ ۱۹۹۸ء کو تشکیل دی گئی، کانگریس کے پاس ۱۴۱ اور بی جے پی کے پاس ۱۸۲ نشستیں تھیں۔ اٹل بہاری باجپئی نے ۲۴ پارٹیوں کی مدد سے اپنی حکومت بنائی جو اے ڈی ایم کے کی حمایت واپسی کی وجہ سے پارلیمنٹ میں تحریک اعتماد کے وقت ایک ووٹ سے گرگئی۔ اس حکومت کی مدت کارکردگی ۴۱۳ دن رہی۔ یہ پانچویں لوک سبھا تھی جو اپنی میعاد پوری نہیں کرسکی۔ اسی لوک سبھا میں ملک کی تاریخ میں پہلی بار ایک دلت تلگو دیشم پارٹی کے جی ایم سی بالیوگی اسپیکر منتخب ہوئے لیکن میعاد پوری ہونے سے قبل ہی ایک ہیلی کاپٹر حادثہ میں ان کی موت ہوگئی۔ اس لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد ۲۹ تھی اور خواتین ممبران کی تعداد ۴۳ تھی۔

تیرہویں لوک سبھا (۱۹۹۹-۲۰۰۴ء)

اس بار چھ قومی پارٹیوں سمیت کل ۴۵ پارٹیاں انتخابی میدان میں تھیں۔ ۶۰ فیصد پولنگ ہوئی، کانگریس کو سونیا گاندھی کے غیر ملکی نژاد کے مسئلہ اور کشمیر کے تنازعہ کے باعث نقصان ہوا۔ صرف ۱۱۴ نشستیں ملیں اور بی جے پی کی قیادت والے این ڈی اے کو ۲۹۸ نشستیں، ایک بار پھر اٹل بہاری باجپئی وزیر اعظم بنے اور ملک کی تاریخ میں انہوں نے دوسری بار ایل کے آڈوانی کو نائب وزیر اعظم بنایا۔ اس بار اس حکومت نے اپنی میعاد پوری کی۔ اس لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد ۳۲ تھی اور خواتین ممبران کی تعداد ۴۹ تھی۔

چودہویں لوک سبھا (۲۰۰۴-۰۹ء)

یہ الیکشن این ڈی اے کے انڈیا شائننگ اور فیل گڈ فیکٹر کے نعرے کے سائے میں ہوا۔ اور پہلی بار کانگریس نے علاقائی پارٹیوں سے اتحاد کرکے یو پی اے بنایا اور اپنے آپ کو مخلوط حکومت کے لئے پوری طرح تیار کرلیا۔ ۵۴۳ میں سے یو پی اے کو ۳۳۵ نشستیں ملیں بی جے پی اقتدار سے باہر ہوگئی۔ اس کی نشستیں ۱۸۲ سے گھٹ کر ۱۳۸ ہوگئی۔ وزیر اعظم منموہن سنگھ بنے اور حکومت نے امریکہ کے ساتھ جوہری معاہدہ کیا۔ بائیں محاذ کی حمایت واپسی کے باوجود حکومت پورے پانچ سال چلی۔ اس لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد ۳۶ تھی اور خواتین ممبران کی تعداد ۴۵ تھی۔

پندرہویں لوک سبھا (۲۰۰۹ء -)

پندرہویں لوک سبھا کے انتخابات میں ہند-امریکہ جوہری معاہدہ اور دہشت گردی جیسے مسائل ایشوز رہے اور ملک کی تاریخ میں پہلی بار چار اتحاد یو پی اے، این ڈی اے، تھرڈ فرنٹ اور چوتھے فرنٹ کے درمیان مقابلہ ہوا جس میں یو پی اے اتحاد دوبارہ برسراقتدار آ گیا۔ کانگریس کی نشستیں ۱۹۹۱ء کے انتخابات کے بعد پہلی بار ۲۰۰ سے زیادہ ہوئیں۔ بی جے پی کی نشستیں ۲۲ کم ہوکر ۱۱۶ ہوگئیں۔ سب سے زیادہ برا حال تھرڈ فرنٹ اور فورتھ فرنٹ کا رہا۔ بائیں محاذ کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا اور دوبارہ منموہن سنگھ کی سربراہی میں یو پی اے کی حکومت بن گئی جس میں کانگریس کا دبدبہ رہا۔ جب کہ ملک کی تاریخ میں پہلی بار لوک سبھا کی خاتون دلت اسپیکر میرا کمار منتخب ہوئیں۔ ۲۰۰۹ء کے عام انتخابات میں ۳۱ مسلم امیدوار کامیاب ہوئے جب کہ ۵۹ خواتین کامیاب ہوئیں۔ ●●

بقیہ: مسلم تنظیموں نے...

اس معاملے میں صرف بی ایس پی نے یو پی کے سطح تک آبادی کے تناسب سے ٹکٹ دیا لیکن اگر اس کا جائزہ لیں تو ایسا معلوم ہوگا کہ کچھ ایسی سیٹیں تھیں جو جیتی نہیں جاسکتی تھیں کچھ ایسے لوگوں کو ٹکٹ دیا جو جیت نہیں سکتے تھے اور کچھ ایسے غیر معروف لوگوں کو دیا جن کو کوئی جانتا نہیں تھا اس طرح بی ایس پی نے خانہ پری کردی۔ مسئلہ صرف ٹکٹ دینے کا ہی نہیں ہے سوال یہ ہے کہ ٹکٹ کس کو دیتے ہیں۔ کہاں سے دیتے ہیں کیسے آدمی کو دیتے ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ہم نے کمیٹی کے ممبران کے صلاح ومشورے سے ایک گائڈ لائن تیار کیا تھا جس کی بنیاد پر ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ہر نشست کی سطح پر وہاں کے مقامی لوگوں کی مدد سے حلقے کی اطلاعات جمع کریں گے کہ کہاں پر کون امیدوار جیتنے کی پوزیشن میں ہے اس کی ذمہ داری جمعیت علماء ہند اور جماعت اسلامی ہند کو دی گئی۔ کہ وہ اپنے مقامی حلقوں تک یہ بات پہنچائے اس پر جمعیت علماء ہند کے صدر مولانا ارشد مدنی نے اتفاق کیا لیکن انہوں نے کہا کہ وقت کی کمی کی وجہ سے اطلاعات حاصل کرنا مشکل ہے۔ پھر انہی کی تجویز پر یہ طے کیا گیا کہ وقت کی کمی کے باعث موجودہ لائحہ عمل کو اختیار کرنا مشکل ہے اس لئے اس بار جو خبریں ہمیں مختلف ذرائع سے موصول ہوں گی اس کی بنیاد پر JCMOE ایک Endorsement فہرست جاری کرے گا ہم نے یہ کیا بھی، اس میں ہمیں کچھ کامیابی تو ضرور ملی لیکن بہت کوتاہیاں رہ گئیں۔ کچھ نام مروت میں شامل کرنے پڑے جن میں کچھ صحیح بھی تھے اور کچھ غلط بھی بہرحال یہ تجربے کارآمد رہا جس کی بنیاد پر ہم آئندہ حکمت عملی طے کرسکتے ہیں۔ لیکن پہلی شرط یہ ہے کہ جو جماعتیں اس میں شریک ہوتی ہیں وہ دل جمعی سے اس میں حصہ لیں۔ ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ جس طرح کام ہونا چاہئے تھا نہیں ہوا۔ الیکشن سے قبل کانفرنسوں کے ذریعہ مسلمانوں سے ایک بات اور کہی گئی تھی کہ ووٹ دینے کی بنیاد یہ رکھیں کہ جو سیاسی پارٹی مسلم ریزرویشن کی حمایت کرتی ہو اسے ووٹ دیں گے اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اکثر سیکولر سیاسی پارٹیوں نے اپنے الیکشن منشور میں اس کو جگہ دی اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس الیکشن میں ہم نے سیاسی قدم بڑھایا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے مسلم تنظیمیں زیادہ منظم انداز میں اپنے مطالبات حکومت کے سامنے رکھیں۔ رنگ ناتھ مشرا کمیشن کی رپورٹ آئے دو برس گزر گئے ہیں ابھی تک سرکاری طور پر ملک کے سامنے نہیں آتی ہے۔ ہم نے گزشتہ پارلیمنٹ میں مسلم ممبران پارلیمنٹ اور دیگر ممبران کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تھی کہ رپورٹ کو پیش کرنے کا مطالبہ کریں۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایک دو غیر مسلم ممبران کے علاوہ کسی مسلم ممبر پارلیمنٹ نے بات نہیں اٹھائی۔ اس بار پھر ہم نے سبھی مسلم ممبران پارلیمنٹ کو خط لکھ کر توجہ دلائی ہے۔ حکومت پر دباؤ ڈالنے کا دو طریقہ ہے ایک تو باہر سے تنظیموں کے ذریعہ اور دوسرے پارلیمنٹ کے اندر ممبران کے ذریعہ مسلم پارلیمنٹ ممبران کو چاہئے کہ وہ مسلم پارلیمنٹری فورم تشکیل دیں۔ ہمیں حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے تمام جمہوری طریقے اختیار کرنے ہوں گے۔ مسلم سیاسی پارٹیوں کو اب خود کو دفن کرلینا چاہئے وہ کھڑے ہوکر قوم کا گلا نہ دبائیں۔ اس ضمن میں ایک بات ممکن ہے جس کی طرف میں ایک عرصے سے توجہ دلاتا رہا ہوں کہ جس طرح بی ایس پی دلتوں کی پارٹی ہوتے ہوئے سیکولر کردار رکھتی ہے۔ اس طرح سماج وادی پارٹی اور دیگر سیکولر پارٹیاں قائم ہوسکتی ہیں تو کیا مسلمانوں کو اتنی عقل نہیں ہے کہ ایک ایسی سیاسی پارٹی بنائیں جس کی قیادت تو مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور دروازے سب کے لئے کھلے ہوں۔ لیکن اس کی دو تین شرط ہے آپ جب اپنے سیکولر ہونے کا اعلان کریں تو لوگ یہ بات سوچیں گے کہ یہ لوگ بولتے کب ہیں؟ جب مسلمان کہیں فساد میں ہلاک ہوتا ہے یا کہیں کسی مسجد پر حملہ ہوتا ہے یا جب کبھی توہین رسالت کا معاملہ پیش آتا ہے یا کسی قومی مسئلے پر کبھی بولتے ہیں؟ جس میں ہندو مسلم ہر ایک کی بھلائی ہو کا مطالبہ ہو ملک میں چھوٹی ریاستیں چھوٹے اضلاع پولیس ریفام انتظامی اصلاحات سمیت درجنوں ایسے مسئلے ہیں جس میں ملک کے تمام باشندوں کی فلاح و بہبود کا تعلق ہے۔ ہم یہ رائے ملک کے سامنے پیش کریں اس طرح ہم آگے بڑھیں اور جب سیاسی پارٹی بنائیں تو غیر مسلموں کو بھی تنظیم میں مناسب جگہ دیں کیا ہم اس کے لئے تیار ہیں؟ اگر ہاں تو کام ہوسکتا ہے۔ (گفتگو پر مبنی)

الیکشن میں مسلم اُمیدواروں کی کارکردگی

محی الدین الطاف کھروری، بھٹکل

پندرہویں لوک سبھا انتخابات میں بھی مسلم امیدواروں کی کارکردگی مایوس کن رہی۔ صرف ۳۱ مسلم اُمیدوار ہی کامیاب ہوسکے جب کہ چودہویں لوک سبھا میں مسلم ممبران کی تعداد ۳۶ تھی۔ اس بار ۳۶ حلقوں میں مسلم اُمیدوار ناکام رہے۔ دوسری پوزیشن پر آنے والے مسلم اُمیدواروں کی تعداد ۳۰ رہی۔ ذیل میں کامیاب اور ناکام مسلم اُمیدواروں کی فہرست ان کے محصولہ ووٹوں اور ہار جیت کے فرق کے ساتھ دی جارہی ہے۔

کامیاب مسلم اُمیدوار

نمبرشمار	نام	ریاست	حلقے	پارٹی	محصولہ ووٹ	جیتے ہوئے ووٹ
۱	سلمان خورشید	اترپردیش	فرخ آباد	کانگریس	1,69,351	27,199
۲	تبسم بیگم	اترپردیش	کیرانہ	کانگریس	2,83,259	22,463
۳	ظفر علی نقوی	اترپردیش	کھیری	کانگریس	1,84,982	8,777
۴	محمد اظہر الدین	اترپردیش	مرادآباد	کانگریس	3,01,283	49,107
۵	قادر رانا	اترپردیش	مظفرنگر	بی ایس پی	2,75,328	20,598
۶	ڈاکٹر شفیق الرحمن برق	اترپردیش	سنبھل	بی ایس پی	2,07,422	13,464
۷	قیصر جہاں	اترپردیش	سیتاپور	بی ایس پی	2,41,106	19,632
۸	ایس کے نورالاسلام	مغربی بنگال	بشیرہاٹ	ترمول کانگریس	4,79,250	60,135
۹	معصوم نور	مغربی بنگال	مالدہ شمال	کانگریس	4,40,264	60,141
۱۰	عبدالمنان حسین	مغربی بنگال	مرشدآباد	کانگریس	4,96,348	35,647
۱۱	ایس کے عبدالحق	مغربی بنگال	بردوان-درگاپور	سی پی ایم	5,73,399	1,08,237
۱۲	ابوہاشم خان چودھری	مغربی بنگال	مالدا-جنوب	کانگریس	4,43,377	1,36,280
۱۳	سلطان احمد	مغربی بنگال	البریا	ترمول کانگریس	5,14,193	98,936
۱۴	کبیر سمن	مغربی بنگال	جادوپور	اے آئی ٹی سی	4,69,613	88,371
۱۵	مرزا محمد بیگ	جموں وکشمیر	آننت ناگ	نیشنل کانگریس	1,48,317	5,224
۱۶	شریف الدین شارق	جموں وکشمیر	بارامولا	نیشنل کانگریس	2,03,022	64,814
۱۷	حسن خاں	جموں وکشمیر	لداخ	آزاد	32,694	3,708
۱۸	فاروق عبداللہ	جموں وکشمیر	سری نگر	نیشنل کانگریس	1,47,035	30,242
۱۹	ڈاکٹر مناظر حسن	بہار	بیگوسرائے	جے ڈی یو	2,05,680	40,837
۲۰	سید شاہنواز حسین	بہار	بھاگلپور	بی جے پی	2,28,384	55,811
۲۱	مولانا محمد اسرارالحق قاسمی	بہار	کشن گنج	کانگریس	2,39,405	80,269
۲۲	ہارون رشید	تمل ناڈو	تھینی	کانگریس	3,40,575	6,302
۲۳	عبدالرحمن	تمل ناڈو	ویلور	ڈی ایم کے	3,60,474	1,07,393
۲۴	ای احمد	کیرلا	ملاپورم	مسلم لیگ	4,27,940	1,15,597
۲۵	ایم آئی شاہنواز	کیرلا	ویاناڈ	کانگریس	4,10,703	1,53,439
۲۶	ای ٹی محمد بشیر	کیرلا	پونانی	مسلم لیگ	3,85,801	82,684
۲۷	اسماعیل حسین	آسام	برپیٹا	کانگریس	3,22,137	30,429
۲۸	محترمہ رانی ناراہا	آسام	لکھیم پور	کانگریس	3,52,330	44,572
۲۹	محمد بدرالدین اجمل	آسام	دھوبری	اے یو ڈی ایف	5,40,820	1,84,419
۳۰	محمد حمیداللہ	لکشدیپ	لکشدیپ	کانگریس	20,492	2,198
۳۱	اسدالدین اویسی	آندھراپردیش	حیدرآباد	مجلس اتحادالمسلمین	3,08,061	1,13,865

دوسری پوزیشن پر مسلم اُمیدوار

نمبرشمار	نام	ریاست	حلقے	پارٹی	محصولہ ووٹ	جیتے ہوئے ووٹ
۱	نسیام محمد فاروق	آندھراپردیش	نندیال	تیلگودیشم	2,87,919	84,495
۲	عزیز ٹنکروی	گجرات	بھڑوچ	کانگریس	2,83,787	27,232
۳	جعفر شریف	کرناٹک	بنگلورنارتھ	کانگریس	3,93,229	59,650
۴	سلیم احمد	کرناٹک	ہاویری	کانگریس	3,42,373	88,220
۵	محمد ریاض	کیرلا	کالیکٹ	سی پی ایم	2,07,422	838
۶	رفیق	راجستھان	چُرو	کانگریس	3,64,268	12,440
۷	قمر ربانی	راجستھان	دوسہ	کانگریس	2,95,907	1,37,759
۸	محمد علی جناح	تمل ناڈو	چنئی سینٹرل	اے ڈی ایم کے	2,86,788	75,586
۹	پی قاسم خاں	آندھراپردیش	ہندوپور	کانگریس	4,12,918	22,835
۱۰	سید یوسف علی	آندھراپردیش	ظہیرآباد	ٹی آر ایس	3,78,360	17,407
۱۱	بدرالدین اجمل	آسام	سلچر	اے یو ڈی ایف	2,02,062	41,470
۱۲	ظہیر حسین خاں	بہار	ارریہ	لوک جن شکتی	2,60,240	22,502
۱۳	شکیل احمد خاں	بہار	اورنگ آباد	راشٹریہ جنتادل	1,88,095	72,058
۱۴	علی اشرف فاطمی	بہار	دربھنگہ	راشٹریہ جنتادل	1,92,815	46,453
۱۵	شاہ طارق انور	بہار	کٹیہار	این سی پی	2,55,819	14,015
۱۶	عبدالباری صدیقی	بہار	مدھوبنی	لوک جن شکتی	1,54,167	9,927
۱۷	محمد انوارالحق	بہار	رائے پور	بی ایس پی	1,07,815	57,900
۱۸	فکرالدین	بہار	والمیکی نگر	کانگریس	94,021	1,83,675
۱۹	ذاکر حسین	ہریانہ	گوڑگاؤں	بی ایس پی	1,93,652	84,864
۲۰	فرقان انصاری	جھارکھنڈ	گوڈا	کانگریس	1,83,119	6,407
۲۱	اسلم شیر خان	مدھیہ پردیش	ساگر	کانگریس	1,92,786	1,31,168
۲۲	عظیم فقیر بھائی	مہاراشٹر	ماول	این سی پی	2,84,238	80,619
۲۳	ڈاکٹر حمید حسین	اڑیسہ	بارگھر	بی جے ڈی	2,98,931	98,444
۲۴	ظفر عالم	اترپردیش	علی گڑھ	سماج وادی	1,76,878	16,557
۲۵	محبوب علی	اترپردیش	امروہا	سماج وادی	1,91,099	92,083
۲۶	اکبر احمد ڈمپی	اترپردیش	اعظم گڑھ	بی ایس پی	1,98,609	49,039
۲۷	شاہد صدیقی	اترپردیش	بجنور	بی ایس پی	2,16,157	28,430
۲۸	افضل انصاری	اترپردیش	غازی پور	بی ایس پی	3,09,924	69,309
۲۹	ارشد جمال انصاری	اترپردیش	گھوسی	ایس پی	1,59,750	60,945
۳۰	بیگم نور بانو	اترپردیش	رامپور	کانگریس	1,99,793	30,931
۳۱	رشید مسعود	اترپردیش	سہارنپور	ایس پی	2,69,934	84,873
۳۲	رضوان ظہیر	اترپردیش	شراوستی	بی ایس پی	1,59,527	42,029
۳۳	محمد طاہر	اترپردیش	سلطان پور	بی ایس پی	2,01,632	98,779
۳۴	مختار انصاری	اترپردیش	وارانسی	بی ایس پی	1,85,911	17,211
۳۵	نور عالم چودھری	مغربی بنگال	گھتال	اے آئی ٹی سی	4,78,739	1,47,184
۳۶	محمد سلیم	مغربی بنگال	کلکتہ شمال	سی پی آئی ایم	3,51,368	1,09,278

توانائی کا سب سے بڑا ذریعہ 'رکازی ایندھن'

ڈاکٹر عبدالمجید خان

جب سے یہ کائنات وجود میں آئی اس وقت سے جاندار اجسام (انسان، جانور، کیڑے مکوڑے، بیکٹیریا اور وائرس وغیرہ) اس کی رونق اور اہم حصہ بن گئے اور آخر تک بنتے چلے جائیں گے۔ تمام جاندار اجسام اجتماعی طور پر اپنی زندگی میں کائنات کی بے شمار تبدیلیوں کا باعث بنے، جس کی وجہ سے آج کا انسان کائنات کے ابتدائی ادوار کے انسان سے بالکل مختلف اور حیرت انگیز زندگی کے مراحل طے کر رہا ہے لیکن جوں جوں یہ جاندار اجسام روئے زمین سے ختم ہوتے گئے، قدرت کے قانون کے مطابق نسل در نسل نئے جاندار اجسام کائنات کا حصہ بنتے گئے اور فنا ہوتے گئے۔ اس کائنات پر قدم رکھنے والی ہر چیز، بالخصوص زندہ اجسام اپنی افادیت لے کر وارد ہوئیں اور اپنی گرانقدر افادیت چھوڑ کر فنا ہوگئیں۔ اس مضمون میں ان جاندار اجسام کی گرانقدر افادیت کو زیر بحث لایا جا رہا ہے، جو خاص طور پر توانائی کی شکل میں روئے زمین پر ہلچل مچائے ہوئے ہیں۔ اس توانائی کا سب سے بڑا ذریعہ فوسل فیول یعنی "رکازی ایندھن" ہیں جو زمین کے اندر دفن ہونے والے جاندار اجسام کی توڑ پھوڑ سے بنتے ہیں۔ رکازی ایندھن کی تفصیل میں جانے سے پہلے توانائی کا ایک مختصر تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

توانائی کیا ہے؟

کسی بھی جسم میں کام کرنے کی صلاحیت کو توانائی کہتے ہیں۔ گویا دنیا میں موجود ہر چیز توانائی کے بل بوتے پر کام کر رہی ہے۔ مثلاً انسان کا چلنا اٹھنا، بیٹھنا، سونا اور جاگنا سب کچھ توانائی کی وجہ سے ہے۔ جب انسان سوتا ہے تو اس کے جسم کے مختلف اعضاء و اجزاء اس کے سونے کے عمل کو جاری رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، جو توانائی پر چلتے ہیں، یعنی اگر توانائی نہ ہو تو سب سے آسان کام یعنی سونا بھی ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ گاڑیوں کا چلنا، ہوائی جہازوں کا اڑنا، میزائل کا اپنے ہدف تک جانا، پرندوں کا ہوا میں قلا بازیاں کھانا، الغرض ہر چیز کے کام کرنے کی صلاحیت توانائی کی مرہون منت ہے۔ کسی بھی چیز کی اہمیت کا اندازہ تب ہی ہوتا ہے، جب وہ چیز کسی سے جدا ہو جائے یا چھین لی جائے۔ اسی طرح توانائی کی اہمیت کا اندازہ بھی ہم روزمرہ کی زندگی میں لحہ بہ لحہ محسوس کرتے ہیں اور اس کے لئے اپنا ردعمل بھی ظاہر کرتے ہیں، مثلاً لوڈ شیڈنگ ہوتی ہے تو احتجاج کرتے ہیں یا مختلف حربے استعمال کرتے ہیں تاکہ توانائی کی نعمت کو حاصل کر سکیں، اسی طرح پٹرول، ڈیزل اور گیس کی قیمت بڑھنے پر احتجاج کرتے ہیں، کیونکہ زیادہ قیمت کی وجہ سے اس توانائی کا حصول ناممکن ہو جاتا ہے۔ توانائی کی عدم دستیابی کی وجہ سے انفرادی شخص، گھر، محلہ، شہر، ملک اور پھر پوری دنیا بے حد متاثر ہوئی ہے۔ توانائی کی بے شمار اقسام ہیں، لیکن ہم اس مضمون میں رکازی ایندھن کا ذکر کریں گے۔

رکازی ایندھن کیا ہیں اور کیسے بنتے ہیں؟

وہ ایندھن، جاندار اجسام (انسان، جانور، پودے، حشرات الارض اور بیکٹیریا و وائرس وغیرہ) کے دفن کئے ہوئے فوسل کے کیمیائی اجزاء کی توڑ پھوڑ سے بنتے ہیں۔ انہیں فوسل فیول یا رکازی ایندھن کہتے ہیں۔ ان میں پٹرول، قدرتی کوئلہ، قدرتی گیس، ڈیزل اور انجن آئل وغیرہ شامل ہیں۔ تمام زندہ اجسام مختلف عناصر یعنی کاربن ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن و دیگر عناصر سے مل کر بنے ہوئے ہیں۔ یہ عناصر حیاتی نظام میں مالیکیول کی شکل میں موجود ہوتے ہیں، جن میں پروٹین، کاربوہائیڈریٹ، امائنو ایسڈ، فیٹی ایسڈ، چربی، وٹامن، ہارمونز انزائمز و دیگر مالیکیول شامل ہیں جو زندہ اجسام کی زندگی کا ایک بنیادی جز ہیں۔

گویا ہماری زندگی عناصر کا ایک مخصوص ترتیب کا کام ہے جب عناصر کی ترتیب میں خلل پڑتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے، زمین کے اندر کچھ عرصے کے بعد وہی مالیکیولز جو عناصر سے مل کر بنے ہوتے ہیں درجۂ حرارت اور دباؤ کی وجہ سے دوسرے مالیکیولز (ہائیڈروکاربنز) میں تبدیل ہو جاتے ہیں، جنہیں ہم رکازی ایندھن کا نام دیتے ہیں۔

فوسل (یعنی گیسولین، پٹرول، تیل، ڈیزل، ٹربوجیٹ فیول) کا انکشاف ۱۸۰۰ء سے شروع ہوا۔ لیکن ٹیکنالوجی نہ ہونے کے باعث ان کا استعمال نہ ہو سکا۔ جوں جوں سائنس ترقی کرتی گئی ٹیکنالوجی نے اس رکازی ایندھن کا استعمال شروع کر دیا۔ رکازی ایندھن کا باقاعدہ استعمال ۱۹۴۰ء کے بعد ہوا۔ اس ٹیکنالوجی میں گاڑیاں، جہاز، کشتیاں، صنعتی مشینیں وغیرہ شامل ہیں۔ جب تک پن بجلی کی ٹیکنالوجی کا وجود نہیں تھا مٹی کا تیل کثرت سے استعمال کیا جاتا رہا۔ پرانے زمانے میں روشنی کا سب سے بڑا ذریعہ مٹی کا تیل ہی رہا ہے۔ بلکہ بے شمار پسماندہ ممالک میں آج بھی روشنی کے لئے اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ڈیزل کا استعمال گاڑیوں، ریل، جنریٹرز، کشتیوں میں ہو رہا ہے جبکہ ٹربوجیٹ فیول کا استعمال جہازوں میں کیا جاتا ہے۔ کوئلہ بھی رکازی ایندھن ہے جسے بجلی پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق پوری دنیا میں ۱ء۹ بلین سالانہ کے حساب سے کوئلہ جلا کر توانائی حاصل کی جاتی ہے۔ زمین کے معرض وجود میں آنے کے ابتدائی ایام کے دوران زندہ رہنے والے پودے اور جانور فنا ہوگئے۔

پھر کچھ عرصے کے بعد ان کی توڑ پھوڑ (Decomposition) شروع ہوگئی۔ ان جاندار اجسام میں اکثریت پودوں (Phytoplankton) اور جانوروں (Zooplankton) کی تھی۔ مرنے کے بعد یہ جاندار اجسام سمندر کی تہہ میں جمع ہوگئے، جو بعد میں فوسل میں تبدیل ہوگئے جس کی وجہ سے رکازی ایندھن کا ایک بہت بڑا حصہ جمع ہوگیا، لیکن ساتھ ساتھ نئی زندگی وجود میں آتی رہی اور پھر بتدریج فنا ہوتی رہی، جس کی وجہ سے فوسل فیول میں اضافہ ہوتا گیا۔ رکازی ایندھن، توانائی کا ختم ہونے والا (Non-reneveble) ذریعہ ہیں۔ جاندار اجسام سے رکازی ایندھن کے بننے کا اصل عمل اور میکانیت مکمل طور پر ابھی تک واضح نہیں ہو سکی ہے۔ تاہم، سائنسدانوں کا خیال ہے کہ زمین کے اندر دباؤ، درجہ حرارت اور کیمیائی تبدیلیوں کی وجہ سے مردہ اجسام رکازی ایندھن میں تبدیل ہوگئے ہیں۔ پوری دنیا کے جیالوجسٹ اور دیگر ماہرین اس تحقیق میں محو ہیں تاکہ رکازی ایندھن کے بننے کی اصل میکانیت معلوم ہو سکے، لیکن اس کی میکانیت کو معلوم کرنا نہایت ہی پیچیدہ عمل ہے، کیونکہ اس میں مختلف علوم یعنی جیالوجی، کیمسٹری، مائیکرو بایولوجی، کیمیکل انجینئرنگ کو ایک ساتھ تحقیقی مقصد کے لئے استعمال میں لانا لازمی ہے۔ ان تمام علوم میں عملی مہارت رکھنے والے سائنسدانوں کی مشترکہ کوششوں سے اصل حقیقت سامنے آ سکتی ہے، جس کے لئے ایک طویل وقت درکار ہے، لیکن پھر بھی سو فیصد درست میکانیت تک رسائی حاصل کرنا ناممکن ہے۔ ابھی تک رکازی ایندھن کے متعلق جو کچھ کتابوں میں لکھا گیا ہے، اس میں بیشتر مفروضوں پر مشتمل ہے۔ جیالوجسٹ کی تحقیق کے مطابق جب زندہ اجسام فنا ہوگئے تو نامیاتی مرکبات اور کیچڑ کی تہہ ان کے اوپر جمع ہوگئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ معدنیات بھی ان کے اوپر جمع ہونا شروع ہوگئے، جس کی وجہ سے دباؤ اور درجہ حرارت بڑھنا شروع ہوگئے۔ لہٰذا نامیاتی مرکبات چھوٹے ہائیڈروکاربن میں ٹوٹ گئے پھر دباؤ زیادہ ہونے کی وجہ سے تیل و گیس جو کہ مختلف ہائیڈروکاربن پر مشتمل ہیں، زمین کی سطح کے قریب آ گئے، زمین کے اندر بڑے بڑے پہاڑوں کی وجہ سے تیل و گیس اس سطح سے اوپر نہیں آ سکے، پہاڑوں کی اس تہہ کے نیچے چار تہیں بن جاتی ہیں۔ پہلی تہہ کوئلہ، دوسری پانی تیسری تہہ مائع رکازی ایندھن (یعنی پٹرول وغیرہ) اور چوتھی تہہ گیسوں کی ہے۔ زمین کے اندر یہ تہیں رکازی ایندھن کی ثقافت کے لحاظ سے بن گئیں۔

سب سے اہم اور دلچسپ بات یہ ہے کہ رکازی ایندھن صرف دو عناصر کاربن و ہائیڈروجن سے مل کر بنے ہیں، گویا دنیا میں استعمال ہونے والی توانائی کے ایک بہت بڑے حصے کے ذمے دار صرف کاربن اور ہائیڈروجن ہیں۔ رکازی ایندھن سے حاصل ہونے والی توانائی کا اصل اور ابتدائی منبع سورج ہے۔ اس حقیقت کی تفصیل یہاں واضح کرنا نہایت ضروری ہے۔ شمسی توانائی کے متعلق عام خیال درست نہیں ہے، کیونکہ ہم شمسی توانائی صرف اس انرجی کے لئے استعمال کرتے ہیں جو براہ راست سورج سے مختلف طریقوں سے حاصل کرتے ہیں۔ ان طریقوں میں سولر تھرمل اور فوٹو وولٹک سیل وغیرہ شامل ہیں۔ یہ طریقے شمسی توانائی کی تعریف و مفہوم پر پورے اترتے ہیں، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ رکازی ایندھن سے چلنے والی گاڑیاں، جہاز و کشتیاں دراصل شمسی توانائی سے چلتی ہیں، اسی طرح دوسرے طریقوں سے حاصل ہونے والی توانائی بھی دراصل شمسی توانائی ہی ہے، تو یہ بالکل درست ہوگا، کیونکہ توانائی کا اصل منبع تو سورج ہی ہے اور کائنات میں موجود جاندار غیر جاندار اجسام اپنے اندر سورج کی توانائی جذب کرتے ہیں، جب ان کو جلایا جاتا ہے یا کسی اور طریقے سے توانائی حاصل کی جا سکتی تو یہ مادی اشیاء وہی توانائی خارج کر رہے ہوتے ہیں جو وہ سورج سے جذب کر چکے ہوتے ہیں۔ لہٰذا رکازی ایندھن سے حاصل ہونے والی توانائی بھی بالواسطہ طور پر شمسی توانائی ہے۔

رکازی ایندھن کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آئندہ پچاس سے ۷۰ برسوں میں اس کائنات سے بالکل ختم ہو سکتے ہیں۔ اس کا تعلق ختم ہونے والی انرجی سے ہے۔ یعنی اس کی جو مقدار توانائی حاصل کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے، وہ دوبارہ حاصل نہیں ہوتی، بلکہ ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا توانائی کا یہ ذریعہ ایک نہ ایک دن بالکل ختم ہو سکتا ہے۔ اس کا توازن ضرورت کے لحاظ سے کم ہو سکتا ہے۔ رکازی ایندھن کا سب سے بڑا ذخیرہ عرب ممالک میں ہے۔ ان ممالک میں بالترتیب ابوظہبی، عراق، سعودی عرب اور کویت شامل ہیں۔ چند ممالک ایسے ہیں جن کے پاس رکازی ایندھن قدرے کم مقدار میں ہے۔ وہ ممالک جن میں یہ بالکل ختم ہوتے جا رہے ہیں ان میں بالترتیب امریکہ، کناڈا اور وینزویلا وغیرہ شامل ہیں۔

رکازی ایندھن کے ختم ہونے کی وجہ سے ہمارا مستقبل بھی تاریکی میں ڈوب سکتا ہے۔ رکازی ایندھن کے مستقبل کے حوالے سے مختلف پیش گوئیاں سامنے آ رہی ہیں۔ ۱۹۹۰ء کے اعداد و شمار کے مطابق امریکہ میں ۳۶ جی بی (گیگابیرل) رکازی ایندھن جمع ہے۔ امریکہ کی آبادی ۲۵۰ ملین ہے جو ۱۴۴ بیرل فی کس کے حساب سے آئل پیدا کر رہا ہے۔ آئل کا استعمال ۳ء۶ بلین بیرل سالانہ کی شرح سے ہو رہا ہے، اس طرح ہر شخص بارہ بیرل آئل سالانہ استعمال کر رہا ہے۔ لہٰذا اس کو ختم ہونے میں بارہ سال (۱۲ = ۱۲/۱۴۴) باقی ہیں۔ ۱۹۹۵ء کے اعداد و شمار کے مطابق امریکہ کے پاس ۲۲ء۵ جی بی آئل موجود ہے اور شرح استعمال وہی ہے جو ۳۶ جی بی کے لئے تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ کے پاس صرف پانچ سات سال (۵ء۷ = ۳/۲۲ء۵) باقی ہیں اس کے بعد تیل ختم ہو جائے گا۔ پوری دنیا عنقریب بحران کا شکار ہونے والی ہے۔

اگر پوری دنیا کو مدنظر رکھا جائے تو ۴۰۰ جی بی تیل فی کس کے حساب سے موجود ہے۔ اعداد و شمار کے حساب سے پوری دنیا میں آئندہ سترہ سال میں یہ تیل ختم ہو جائے گا۔ لیکن ایک عام اندازے کے مطابق زیادہ سے زیادہ یہ تیل آئندہ پچاس سے ستر برسوں میں بالکل ختم ہو جائے گا۔ ایک بات دلچسپ اور قابل غور ہے کہ سعودی عرب اتنا ہی تیل پیدا کر رہا ہے جتنا کہ امریکہ پیدا کر رہا ہے۔ لیکن امریکہ کو اس تیل کی پیداوار کے لئے چھ لاکھ کنوئیں درکار ہیں جبکہ سعودی عرب کو صرف آٹھ سو ساٹھ کنوئیں درکار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ پرانے آئل فیلڈ پر بیٹھا ہوا ہے۔ جبکہ سعودی عرب نئے اور تیل سے بھرے ہوئے آئل فیلڈ پر بیٹھا ہوا ہے۔

جہاں رکازی ایندھن کے فائدے ہیں وہاں نقصانات بھی ہیں، لیکن فائدے نقصانات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔ رکازی ایندھن کے چند بڑے نقصانات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) چونکہ اس کا استعمال زیادہ تر ٹرانسپورٹ میں ہوتا ہے، جس کی وجہ سے دھواں اور مختلف قسم کی زہریلی گیس ماحول کی آلودگی کا باعث بنتی ہیں۔

(۲) جب رکازی ایندھن جلتا ہے تو اس کے نتیجے میں سلفر، نائٹروجن اور کاربن ماحول میں موجود آکسیجن کے ساتھ مل کر آکسائیڈ بناتے ہیں۔ جب یہ آکسائیڈ ہوا میں موجود پانی کے بخارات کے ساتھ ملتے ہیں تو مختلف قسم کے ایسڈز یعنی سلفیورک ایسڈ، نائٹرک ایسڈ اور کاربونک ایسڈ بنتے ہیں۔ بارش کے ساتھ یہ ایسڈز زمین پر گرتے ہیں جسے ایسڈ رین یا تیزابی بارش کہتے ہیں جو کہ جنگلات، فصلوں اور مکانات کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔

(۳) کوئلے، تیل، پٹرول و گیس کے جلنے کی وجہ سے راکھ کے ذرات ماحول میں پھیل جاتے ہیں جو سانس کی بیماریوں کا باعث بن جاتے ہیں۔

(۴) رکازی ایندھن، گلوبل وارمنگ میں اضافے کا بہت بڑا سبب ہے، جس کی وجہ سے پوری دنیا میں درجہ حرارت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ گلوبل وارمنگ کی وجہ سے نارتھ اور ساؤتھ پولز پر پولر آئس کیپس کے پگھلنے کا خدشہ ہے، اگر ایسا ہو گیا تو سمندر کی سطح نارمل لیول سے بڑھ جائے گی، جو آگے چل کے طوفان کا باعث بن سکتی ہے۔ اس گلوبل وارمنگ کا اصل محرک CO_2 کا زیادہ بننا ہے۔ اس کو گرین ہاؤس گیس بھی کہا جاتا ہے، یعنی یہ سورج سے آنے والی شعاعوں کو اپنے اندر جذب کرکے ماحول کا درجہ حرارت برقرار رکھتی ہے، لیکن اگر اس کی مقدار ضرورت سے زیادہ بنے گی تو یہ ضرورت سے زیادہ شعاعیں جذب کرے گی اور بالآخر گلوبل وارمنگ کا باعث بنے گی۔

اگر اس کے نقصانات پر قابو نہ پایا گیا تو ایک اندازے کے مطابق ۲۰۰۰ء سے ۲۰۲۰ء تک پوری دنیا میں آٹھ ملین آبادی لقمۂ اجل بن سکتی ہے۔ گلوبل وارمنگ اور آلودگی پر قابو پانے کے لئے لازمی ہے کہ صنعتوں، گھروں، گاڑیوں اور دیگر مشینوں سے پیدا ہونے والی گیسوں کو ماحول میں جانے سے پہلے ختم کیا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جدید ٹیکنالوجی متعارف کی جائے۔ چونکہ رکازی ایندھن تیزی سے ختم ہو رہے ہیں اور مسلسل ماحول کی آلودگی کا باعث بن رہے ہیں، اس لئے پوری دنیا کے سائنسداں متبادل راستوں کی تلاش میں متحرک اور محو تحقیق ہو چکے ہیں۔

اس مضمون کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ پوری دنیا عنقریب توانائی کے بحران کا شکار ہونے والی ہے۔ جب رکازی ایندھن اس دنیا سے ختم ہو جائیں گے تو بحران انتہا کو پہنچ جائے گا۔ لہٰذا دنیا کے سائنسدانوں کو ابھی سے اپنی کوشش اور تحقیق کو اس سمت میں لگانا چاہئے کہ ہماری آئندہ آنے والی نسلوں کو توانائی کا نیا، سستا اور آسان طریقہ وراثت میں مل سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مندرجہ ذیل طریقوں سے توانائی حاصل کرنے کے لئے تحقیق کو آگے بڑھانا بے حد لازمی ہے۔

☆ ہائیڈرو پاور (آبی ڈیم اور آبشاروں سے بجلی پیدا کرنا) ☆ سولر پاور (سورج کی توانائی سے بجلی پیدا کرنا) ☆ ونڈ پاور (ہوا کے بہاؤ سے ٹربائن چلا کر بجلی پیدا کرنا) ☆ ٹائیڈل پاور (موجوں کے بہاؤ سے ٹربائن چلا کر بجلی پیدا کرنا) ☆ یورین پاور (انسانوں اور جانوروں کے پیشاب سے) ☆ فائیو فیول (گنے، چاول، گندم، کپاس سے...... الکوحل حاصل کرکے اسے بطور فیول استعمال کرنا) ☆ کیمیکل فیول سیل (گندے پانی اور شکریات کے مختلف ذرائع عمل تخمیر سے بجلی پیدا کرنا) ☆ بائیو ماس ڈائی جیسن (مختلف بائیو ماس مثلاً گوبر، ایگریکلچر ویسٹ ڈومیسٹک ویسٹ انڈسٹریل ویسٹ اور سمندری...... کی زیر زمین ڈائی جیشن سے توانائی حاصل کرنا ☆ جیوتھرمل پاور (دنیا کے بعض ممالک میں زیر زمین بہت زیادہ درجۂ حرارت ہوتا ہے جسے بجلی پیدا کرنے اور گھروں کو گرم کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ☆ نیوکلیئر پاور (مختلف تابکاری عناصر سے بہت زیادہ توانائی خارج ہوتی ہے جسے بجلی پیدا کرنے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ ☆ بیٹریز کا بڑے پیمانے پر استعمال کرنا ☆ بلیو انرجی (سمندر اور دریا میں نمک کے ارتکاز کے فرق سے بجلی پیدا کرنا۔ ●●

طب وصحت

سرطان کیا ہے؟

منیر الدین

سرطان سو سے زیادہ ایسے امراض کا مجموعہ ہے جو جسم کے کسی بھی حصے کو اپنی زد میں لے سکتا ہے۔ اس کیلئے دو دوسری اہم اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ وہ مہلک رسولیاں ہیں جو علاج قبول نہیں کرتیں۔ اس کی اہم خصوصیت جسم میں تیز رفتاری سے بننے والے غیر معمولی قسم کے خلیات ہوتے ہیں جو اپنی مقررہ یا عام حد سے بڑھ کر بننے لگتے ہیں، جن کی زد میں جسم کے قریبی حصے آنے کے بعد رفتہ رفتہ دوسرے اعضاء بھی اس کے لپیٹ میں بڑا سبب ہوتی ہے۔

اہم حقائق:

سرطان پوری دنیا میں موت کا ایک اہم سبب ہے۔ پچھلے سال واقع ہونے والی ۸۵ ملین کل اموات میں سے ۷ء۶ ملین یا تیرہ فیصد سرطان کی وجہ سے ہوئیں۔ مختلف قسم کے سرطان سے ایک سال میں ہونیوالی اموات کی تفصیل یہ ہے: ☆ پھیپھڑوں کے سرطان سے اموات ۱ء۳ ملین، معدے کے سرطان سے اموات تقریباً ایک ملین، جگر کے سرطان سے اموات ۶۶۲۰۰۰ بڑی آنت (قولون) کے سرطان سے اموات ۶۵۵۰۰۰ چھاتی کے سرطان سے 5020000۔

یاد رہے کہ سرطان سے ۴۰ فیصد تحفظ حاصل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ صحت بخش غذا کھائی جائے، جسمانی سرگرمی یا ورزش کی پابندی کی جائے اور تمباکو سے پھیپھڑے، گلے، منہ، لیلبے، مثانے، معدہ، جگر، گردے اور دیگر قسم کے سرطان ہوتے ہیں۔ دوسرے شخص کی تمباکو نوشی سے یعنی ماحولیاتی تمباکو نوشی سے بھی پھیپھڑے کا سرطان ہو جاتا ہے۔

دنیا میں سرطان کے ۵/۱ واقعات پرانے چھوت (انفیکشن) کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر ہیپاٹائٹس بی (جگر کا سرطان)، فم رحم کا سرطان، ہیلی کو بیکٹر کی وجہ سے ہونے والا معدے کا سرطان، صفرا کی نالی کے ورم سے ہونے والا جگر کا سرطان، گردے مثانے کی چھوت سے ہونے والے گردے کا سرطان اور ایڈز کے وائرس ایچ آئی وی سے ہونے والے سرطان شامل ہوتے ہیں۔ خواتین میں چھاتی، پھیپھڑے، معدے، بڑی آنت اور قولون اور فم رحم کے سرطان عام ہوتے ہیں۔ خواتین مردوں کے مقابلے میں سرطان کی کم شکار ہوتی ہیں۔

سرطان کے اسباب:

سرطان کا مرض جسم میں خلیات کے نمو اور ان کی مرمت کے ذمہ دار ورثوں (جینز) میں تبدیلی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ تبدیلیاں جسم کے اندرونی جینیاتی اور بیرونی عوامل کا نتیجہ ہوتی ہیں اور عوامل یہ ہوتے ہیں۔ الٹراوائلٹ اور دیگر مختلف قسم کے تابکاری اثرات، حیاتیاتی سرطان پیدا کرنے والے اسباب مثلاً وبائی وائرس جن سے ہیپاٹائٹس بی کا ورم جگر اور جگر کا سرطان ہوتا ہے۔

سرطان کا آغاز:

جسم کے صرف ایک خلیے کی رسولی میں تبدیلی سرطان کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہی تبدیلی رسولی کو سرطان میں تبدیل کر دیتی ہے جو بیرونی کے علاوہ موروثی جینیاتی اثرات کے نتیجے میں رونما ہوتی ہے۔ عمر میں اضافہ اس مہلک تبدیلی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اندازہ بھی ہے کہ زندگی کے لمبے عرصے میں خلیات میں ہونے والی تبدیلیاں جن کی وجہ سے خلیات کی مرمت اور اصلاح کا نظام تھک جاتا ہے، سرطان کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔

بچاؤ کی تدابیر:

چونکہ سرطان کے سلسلے میں طویل تحقیق اور مطالعہ کے علاوہ اس سے بچاؤ اور نجات سے کئی طریقے بھی وضع ہوگئے ہیں، لہٰذا مرض تشخیص اور اس کے سلسلے میں علاجی تدابیر بھی ممکن ہوتی جا رہی ہیں۔ ہم ان میں سے چند اہم ان سب کا اوپر تذکرہ کر چکے ہیں۔ یعنی

باقی صفحہ ۵ پر

عظیم سلطنت روما کا حصہ رہنے والا یورپی ملک ہنگری

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

"ہنگری" یورپ کے وسط میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ کم و بیش ۳۶۰۰۰ مربع میل ہے، جو ۹۳۰۰۰ مربع کلو میٹر بنتا ہے۔ ہنگری یورپ کا ایسا ملک ہے جس کی سرحدیں تاریخ میں کئی بار تبدیل ہوئیں، کبھی اس کی حدود میں اضافہ ہوا تو کبھی کمی دیکھنے میں آئی۔ موجودہ ہنگری چاروں طرف سے خشکی میں گھرا ہوا ہے، اس کے شمال میں سلواکیہ کا ملک ہے، شمالی مشرق میں یوکرائین کی ریاست ہے، مشرق میں رومانیہ واقع ہے، جنوب میں یوگوسلاویہ اور کروشیا جیسے ممالک ہیں، جنوب مغرب میں سلووینیا اور مغرب میں آسٹریا واقع ہے۔ نقشے پر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، گویا جغرافیائی اعتبار سے کئی ممالک نے ہنگری کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ ساحلوں سے محرومی ہنگری کی محرومیوں میں سے ایک ہے۔ "بڈاپسٹ" یہاں کا دارالسلطنت ہے جس کے بیچوں بیچ ہنگری میں بہنے والا مشہور دریا گزرتا ہے۔ یہ شہر دارالحکومت ہونے کے ساتھ ساتھ ہنگری کی قومی ثقافت اور روزمرہ زندگی کا آئینہ دار بھی ہے۔ ہنگری کو انتظامی طور پر نو حصوں میں یا صوبوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ یہاں کی آب و ہوا خشک اور ٹھنڈی ہے، سردیوں میں ۴ ڈگری اور گرمیوں میں ۲۳ ڈگری سینٹی گریڈ تک درجۂ حرارت رہتا ہے، تاہم کبھی کبھی بہت شدید قسم کی گرمی بھی پڑتی ہے۔ فصلوں کے موسم میں قدرت یہاں بہت بارشیں برساتی ہے، جس کی سالانہ شرح ۵۰۰ سے ۶۰۰ ملی میٹر تک ریکارڈ کی جاتی ہے۔

ہنگری ایک زمانے میں سلطنت روما کا حصہ تھا، یہ چوتھی صدی عیسوی کی بات ہے۔ پھر آہستہ آہستہ رومی حکومت کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی، تو جرمانک قبائل کے لوگ یہاں قابض ہوگئے، جن کے بعد کچھ عرصے تک یہاں غلاموں کا کنٹرول بھی رہا۔ اس کے بعد تھوڑے عرصے کے لئے تاریخ میں بہت سے قبائل اور گروہوں کا ذکر ملتا ہے، جنہوں نے یہاں حکومتیں کیں یا لوٹ مار کا بازار گرم کیا، تاآنکہ یہ خطہ بازنطینیوں کے زیر تسلط آ گیا۔ بازنطینی حکمراں یہاں مکمل اور مضبوط گرفت نہ رکھ سکے۔ سولھویں اور سترہویں صدی میں ہنگری ترک سلطانوں کے زیر اثر آ گیا اور یہاں پر مسلمان حکومت کرنے لگے۔ ترکوں نے ایک طویل عرصے یہاں حکومت کی۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب یورپ کے بادشاہ تک جاہل، ان پڑھ اور انتہائی بدتمیز ہوا کرتے تھے۔ خود عیسائی مؤرخین نے وضاحت سے لکھا ہے کہ مذہب عیسائیت میں پڑھنے لکھنے کو گناہ قرار دینے کے باعث یورپ کا بہت بڑا علاقہ اور بے شمار اقوام و قبائل جہالت اور گمراہی کے تاریک غار میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے۔ عرب نے اندلس میں اور ترکوں نے وسطی یورپ کے علاقوں میں علم کی شمعیں روشن کیں، جن کی بنیاد پر آج کا یورپ تہذیب و تمدن کا گہوارہ نظر آتا ہے۔ مسلمانوں کے جانے کے بعد صدیوں تک یورپی بادشاہوں نے مسلمانوں کی کتب کے تراجم کرائے اور تب ایک نئی سائنس کی بنیاد رکھی، لیکن افسوس کہ یورپ اسلام سے محروم رہا اور صد افسوس کہ مسلمان اپنی علمی میراث سے محروم ہوگئے۔

ہنگری کی سب سے پہلی تاریخ عربی میں لکھی گئی اور مسلمانوں نے لکھی، یہ نویں صدی عیسوی کی بات ہے۔ اصل ہنگری کے باشندے "فینو" نسل کے قبائل کی اولاد سے ہیں جن پر سب سے پہلے ترکوں کی زبان نے اپنے اثرات ڈالے۔ ترکوں اور ہنگریوں کے تعلقات کی ایک طویل داستان ہے جو کہ قبل از اسلام کے دور سے تعلق رکھتی ہے۔ ابوحامد الغرناطی (متوفی ۱۱۷۰ء) جو ایک فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سیاح بھی تھے۔ انہوں نے اس وقت کے ہنگری میں تین سال گزارے اور یہاں کے حالات پر بہت عمدہ اور مفصل تحریریں لکھیں۔ چودھویں اور پندرہویں صدی کے دوران ترکوں اور ہنگری کے بادشاہوں میں طویل مخاصمت رہی اور میدان جنگ آئے روز گرم کئے جاتے رہے۔ ہنگری کے بادشاہ آہستہ آہستہ کمزور ہوتے گئے اور قدرت عثمانیوں پر مہربان ہوتی گئی، تاآنکہ سلطان سلیمان اول (۱۵۶۶ء-۱۵۲۰ء) نے ہنگری میں اپنی افواج داخل کردیں اور ۱۵۴۱ء میں مسلمان سپاہ نے ہنگری کے دارالحکومت پر قبضہ کر لیا۔ کم و بیش ساڑھے تین سو برسوں کے طویل اقتدار کے بعد بیسویں صدی کے آغاز میں یہاں اسلامی اقتدار کا سورج غروب ہوا اور کمیونسٹ اقتدار غالب آ گیا۔ ہنگری میں دو تہائی آبادی شہروں میں رہائش پذیر ہے۔ اس میں سے ایک تہائی تو صرف دارالحکومت میں رہتی ہے، جس کی بڑی وجہ اس شہر میں صنعتوں کی کثرت ہے، جس کے باعث لوگوں کو روزگار آسانی سے میسر آ جاتا ہے اور مصنوعات سستے داموں مل جاتی ہیں۔ تاہم بڑے بڑے علاقوں کے مکینوں کی تعداد بھی چالیس ہزار سے کم ہے۔ نوے فیصد لوگ یہاں کی مقامی ہنگری نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنی مادری زبان "مگیار" بولتے ہیں۔ اٹھارہ سال کی عمر سے زائد افراد کے لئے فوجی تربیت لازمی ہے۔ یہ تربیت ایک سال سے کم مدت کی ہوتی ہے۔ بیس فیصد لوگ زراعت سے وابستہ ہیں، جب کہ ہنگری کی دو تہائی زمین قابل زراعت کے لئے بہت مفید ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے لوگوں میں زراعت کی طرف توجہ کم ہی رہی ہے، اس کے باوجود ہنگری اپنی خوراک میں خود کفیل ملک ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہنگری کی حکومت نے گزشتہ کئی برسوں سے انڈسٹری پر خصوصی توجہ دے رکھی ہے اور زیادہ تر لوگ کارخانوں کے روزگار سے وابستہ ہوگئے ہیں۔ خوراک، تمباکو، لکڑی اور کاغذ کی پیداوار میں ہنگری دنیا میں اپنا ایک نام رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی پیداواری اشیاء ہنگری میں بنائی جاتی ہیں۔ انڈسٹری کی معاونت کے لئے حکومت نے سڑکوں کا وسیع جال بچھایا ہے اور ریلوے کا نظام بھی ہنگری کے اندر متحرک ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد سے ہنگری میں سوویت روس کا نظام حکومت اپنایا گیا، جس میں ایک ہی پارٹی ملک کا نظم و نسق سنبھالتی ہے۔ ۱۹۴۸ء میں کمیونسٹ پارٹی اور سوشل ڈیموکریٹک پارٹی نے باہم اشتراک کیا اور مل کر ایک نئی پارٹی "ہنگرین ورکرز پارٹی" بنالی، جسے ۱۹۵۶ء میں ہنگرین سوشلسٹ ورکرز پارٹی کا نام دے دیا گیا، جب کہ باقی تمام پارٹیوں کو بہ زور طاقت ختم کر دیا گیا۔ ۱۹۸۹ء سقوط ماسکو تک یہ نظام چلتا رہا، لیکن پھر افغان مجاہدین کے ہاتھوں کیمونزم کی بدترین شکست کے بعد پوری دنیا کی طرح ہنگری میں بھی روس کی باقیات ختم ہوئیں اور اکتوبر ۱۹۸۹ء میں پرانے دستور میں ایک سو ترامیم کرکے اسے ہنگری میں نافذ کر دیا گیا۔ ان نئی ترامیم کے مطابق ایک سے زائد پارٹیاں ملکی سیاست میں حصہ لے سکتی ہیں اور ملک میں نمائندہ جمہوری طرز کی حکومت اور آزاد انتخابات کا نظام قائم ہوا۔ ان نئی ترامیم کے مطابق انتظامیہ اور مقننہ کو الگ کر دیا گیا اور آزاد عدلیہ قائم کی گئی۔ اب ہنگری میں ۳۸۶ ارکان پر مشتمل منتخب پارلیمان ملک کے لئے قانون سازی کرتی ہے، جسے ۱۸ سال سے زائد عمر کے مرد و خواتین چار برسوں کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ مملکت کے لئے صدر، سپریم کورٹ کے سربراہ اور دیگر انتظامی و جمہوری اداروں کے نگرانوں کا تقرر بھی پارلیمان ہی کرتی ہے۔ وزیر اعظم اور وزراء مملکت کا انتخاب بھی پارلیمان ہی میں سے ہوتا ہے۔ جب کہ صدر پانچ برسوں کی دو مدتوں تک منتخب ہو سکتا ہے اور آئین کے مطابق صدر مملکت ہی ملکی افواج کا آئینی سپہ سالار ہوتا ہے۔ اس وقت ہنگری میں کم و بیش دو سو پارٹیاں سیاست میں حصہ لے رہی ہیں، لیکن ان میں سے صرف چھ کے نمائندے ہی ایوان تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ۱۹۴۸ء میں جب ہنگری کے اندر سوویت روس کا نظام اپنایا گیا تو تمام اسکولوں کو بھی قومیا لیا گیا، اب اگرچہ وہاں نجی تعلیمی ادارے موجود ہیں، لیکن بہت کم، ملک میں جامعات بھی ہیں، لیکن زیادہ تر کالجز ہی تعلیم فراہم کرتے ہیں۔ یہی صورت حال صیغہ صحت کے ساتھ بھی ہے کہ تمام اسپتال گورنمنٹ ہی کے تھے، لیکن اب بہت سے نجی اسپتال بھی وہاں عوام کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ۱۹۹۰ء کی قانون سازی کے بعد سے یہاں مذاہب کو آزادی دی گئی ہے۔ لیکن مسلمانوں کے خلاف عیسائی اکثریت کا تعصب اب بھی باقی ہے۔ اگرچہ ہنگری کی مسلمان لابی حکومت کے ایوانوں میں بھی اپنا اثر و رسوخ رکھتی ہے، لیکن اسے بہت مشکلات کا سامنا ہے۔ دارالحکومت کے کئی علاقوں میں

باقی صفحہ ۸ پر

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in, dawatnews@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.DL (S) - 05 / 3128 / 2009-2011

احوال وکوائف

امریکی صدر کی ایک بڑی الجھن

شفیق الرحمن

مبصرین کا کہنا ہے کہ صدر اوباما کی الجھنوں میں سے ایک بڑی الجھن شمالی کوریا بھی ہے، اس گتھی کو کس طرح سلجھایا جائے اس کا فیصلہ کرنے میں انہیں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس الجھن نے مغرب کے اعلیٰ ترین عسکری دماغوں اور حکمت عملی تیار کرنے والے ماہرین کے دماغوں کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ ایک مغربی تجزیہ نگار کے مطابق شمالی کوریا کا معاملہ امریکہ سمیت تمام مغربی طاقتوں کے لئے ایک مخمصہ بن گیا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ شمالی کوریا کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ بھی کہنا مشکل ہے۔ اس کا اگلا قدم کیا ہوگا اس کا اندازہ لگانا امر محال ہے، اس لئے انہوں نے اس کا ایک گر یہ سکھایا ہے کہ ایسی ریاست کے ساتھ معاملات کرنے کا بنیادی اصول یہ ہے کہ پہلے سے کوئی اصول طے نہ کیا جائے کسی قاعدے کلیے کی پیروی نہ کی جائے، شمالی کوریا کو قابو میں کرنے کی اب تک جتنی بھی تدبیریں کی گئی ہیں وہ ناکام رہی ہیں، اس کے باغیانہ تیور اب تک نہیں تبدیل ہوئے ہیں، اور یہ ایک دو دن کی بات نہیں ہے، امریکہ کا شمالی کوریا کے ساتھ یہ کھیل، ۱۹۵۰ء سے جاری ہے، اس دوران جتنے بھی فارمولے وضع کیے گئے اور آزمائے گئے وہ ناکام رہے ہیں، ایک تجزیہ نگار نے تقریباً ساٹھ سال سے جاری اس کھیل کو تین الفاظ سے تعبیر کیا ہے، engage (رابطہ کاری) Appease (تابعداری) اور oppose (مذمت ومخالفت) امریکہ کا اب تک کا رویہ انہی تین طریقوں سے عبارت ہے۔ شمالی کوریا پر یہ تینوں طریقے آزمائے جاچکے ہیں مگر ان میں سے ایک بھی کارگر ثابت نہیں ہوسکا ہے۔

شمالی کوریا ایک چھوٹا سا ملک ہے جو دنیا کے نقشہ پر انتہائی مشرق میں جاپان اور چین کے قریب واقع ہے، جس کا رقبہ ۴۶۹۱۸ مربع میل ہے۔ یعنی امریکہ کی ایک ریاست مسی سپی کے برابر ہندوستان اس سے ۲۵ گنا بڑا ملک ہے۔ شمالی کوریا کی آبادی تقریباً ڈھائی کروڑ ہے، خواندگی کی شرح ۹۹ فیصد ہے۔ اوسط عمر ۶۹ برس (مردوں کی) ۷۵ برس (خواتین کی) حفظان صحت کا حال یہ ہے کہ طبی سہولتیں مفت ہیں، ہر سات سو لوگوں پر ایک ڈاکٹر اور ہر ۱۳۵۰ افراد پر شفاخانہ میں ایک بستر حاضر ہے، آبادی میں سالانہ اضافہ کی شرح تقریباً ایک فیصد ہے۔ کاشت کاری اور ماہی گیری یہاں کے لوگوں کا بنیادی پیشہ ہے۔ مگر یہ ملک معاشی لحاظ سے ایک نہایت پس ماندہ ملک ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ فی کس آمدنی ۱۸۰۰ ڈالر ہے، درآمدات وبرآمدات میں بھی کوئی توازن نہیں ہے۔ اس کو ۱۹۴۵ء میں آزادی نصیب ہوئی اس سے پہلے اس پر جاپان کا قبضہ تھا، مگر آزادی کے بعد سے تاحال یہاں کے لوگوں کو چین نصیب نہیں ہوسکا، آزادی کے چند برسوں بعد جزیرہ نما کوریا دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک شمالی کوریا اپنی بقا کی جنگ لڑتا چلا آرہا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ شمالی کوریا کو ایک بڑی اور مضبوط فوج رکھنی پڑی ہے، ایک اندازے کے مطابق اس کے پاس چار ہزار کی تعداد میں ٹینک اور اٹھارہ ہزار توپ خانے ہیں، باقاعدہ فوج کی نفری دس لاکھ ہے۔

امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی الجھن شمالی کوریا کا ایٹمی قوت بننا ہے، شمالی کوریا اب تک اس سے باز نہیں آیا، حالانکہ کہ امریکہ اور اس کے اتحادی ۱۹۹۰ء کی دہائی سے اس کی کوشش کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہاں تک کہ ۱۹۹۴ء میں اس نے اس پر آمادگی بھی ظاہر کردی تھی اور امریکہ کے ساتھ اس کا معاہدہ بھی ہوگیا تھا کہ وہ اپنا ایٹمی پروگرام بند کردے گا اور ایٹمی اسلحہ تلف کردے گا، اس وقت اس سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اس کے بدلے میں اسے توانائی کے حصول کے لئے دو محفوظ ایٹمی بھٹیاں دی جائیں گی، لیکن اس وعدے پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے اس نے نہ صرف اپنا ایٹمی پروگرام جاری رکھا بلکہ میزائل سازی کے پروگرام کا آغاز بھی کردیا، کہا جاتا ہے کہ اس نے ۱۹۹۸ء میں سب سے پہلے اپنا میزائل داغا، پھر تو اس کا سلسلہ شروع ہوگیا، اس دوران اس نے درمیانے درجے سے لے کر دور مار میزائل کے متعدد تجربے کیے، یہاں تک کہ صدر بش کے دور میں اس کے خلاف پابندیوں کا فیصلہ کیا گیا۔ پانچ جولائی ۲۰۰۶ء کو سلامتی کونسل نے ایک قرار داد (۱۶۹۵) بھی منظور کی، جس کے جواب میں اس نے ۹ اکتوبر ۲۰۰۶ء کو زیر زمین ایٹمی تجربہ کردیا۔ ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۶ء کو سلامتی کونسل نے ایک اور قرارداد (۱۷۱۸) منظور کی اور بات چیت کا ڈول بھی ڈالا گیا، تقریباً دو سال تک اس کا سلسلہ جاری رہا جس کے بعد شمالی کوریا نے اپنا سب کچھ تباہ کرنے کا اعلان کردیا۔ جس کا انعام اسے یہ دیا گیا کہ اس کا نام دہشت گردی کو ہوا دینے والے ممالک کی فہرست سے نکال دیا گیا لیکن صدر اوباما کے آتے ہی حالات نے ایک نئی کروٹ لی اور شمالی کوریا نے تابڑ توڑ ایٹمی تجربے بھی کئے اور میزائل بھی فضا میں داغے، یہاں تک کہ ایسے میزائل بھی بنا ڈالے جس کی زد میں امریکہ بھی آگیا، اس کا حیرت ناک پہلو یہ ہے کہ شمالی کوریا کے خلاف امریکہ نے وہ رویہ اختیار نہیں کیا جو عراق اور افغانستان کے خلاف اپنایا اور اب بھی Engagement کا طریقہ آزمانے کو ہی ترجیح دے رہا ہے اور اقوام متحدہ کا اندازہ بھی وہ نہیں ہے جب کہ شمالی کوریا کو اقوام متحدہ کی بالکل پرواہ نہیں ہے۔

●●

بقیہ: انقلاب اور تاریخی شعور

پر عمل کر کے جو صالح نظام وجود میں آئے گا اس میں کیا کبھی کسی انقلاب کی ضرورت ہوسکتی ہے؟ یہ کوئی مفروضہ بھی نہیں بلکہ جناب رسول اللہؐ کے زمانے اور خلافت راشدہ میں عملی طور پر اس نظام کو قائم کر کے ہر ممکنہ اعتراض کا دروازہ بھی بند کردیا گیا اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اصول قیامت تک کے لئے کافی ہے۔

اس کے برخلاف دوسری قوموں میں جب سماجی اور اخلاقی زوال کے سبب انقلاب آتا ہے اور معاشرہ تبدیلی کا خوگر ہوتا ہے تو وہ دراصل اسی فطری اخلاقی تقاضے کے سبب سے ہوتا ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ نے ودیعت کیا ہے اور یہ انقلاب صرف اس اخلاقی نظام ہی کو درست کرنے کے لئے ہوتا ہے جسے پامال کیا جارہا ہے تھا اور اب انقلاب کے ذریعے اس اخلاقی نظام کو قائم کرنے کی سعی کی جاتی ہے جس کے نتیجہ میں اقتصادی مسائل بھی حل ہوجاتے ہیں، استحصال بھی ختم ہوجاتا ہے اور سیاسی استحکام بھی حاصل ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ صرف انسان کے اپنے اس فطری تقاضے کے تحت وجود میں آتے ہیں اور ان میں کسی نبی کی ہدایت یا اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا طریقہ نہیں اختیار کیا جاتا اس لئے ایسے انقلاب کے بعد کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ صرف استحصال کی شکل یا استحصال کرنے والے بدل جاتے ہیں جیسے روس کے اشتراکی انقلاب کے بعد چونکہ ظلم اور استحصال کا طریقہ اور لوگ بدل گئے کوئی اخلاقی تبدیلی معاشرے میں نہیں آئی اس لئے صرف چند دہائیوں ہی میں وہ نظام ختم ہوگیا۔ ایسے انقلابوں میں افراط وتفریط کے سبب ترازو کے دونوں پلڑے ایک عرصے تک اوپر نیچے ہوتے رہتے ہیں کیونکہ توازن کا حقیقی استقرار صرف اللہ کے بتائے ہوئے طریقے یعنی صرف اسلام میں ہے۔

البتہ یہ ہم ضرور کہہ سکتے ہیں کہ کسی انقلاب کی بقاء تاریخی شعور میں بھی مضمر ہے یعنی اگر انقلاب کے بعد خواص میں بھی تاریخی شعور پیدا نہیں ہوسکا تو وہ انقلاب یا اس کے اثرات باقی نہیں رہتے یا اسے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر انقلاب کے ساتھ قوم میں ایک تاریخی شعور بھی بیدار ہوتا ہے اور اس انقلاب کے اثرات صرف اسی وقت تک باقی رہ سکتے ہیں جب تک کہ قوم میں وہ تاریخی شعور باقی رہتا ہے۔ جس کی مثال آثار صحابہ میں سے بے شمار واقعات سے دی جاسکتی ہے۔ پھر جیسے جیسے اس تاریخی شعور میں کمی آتی ہے انقلاب کے اثرات بھی دھیمے پڑتے جاتے ہیں اور یہی مفہوم یہ حدیث بھی پیش کرتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: ''سب سے اچھا زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر اس کے بعد کا زمانہ اور پھر اس کے بعد کا۔''

●●

بقیہ: عظیم سلطنت روما......

مسلمانوں کی اکثریت کے باوجود انہیں اپنی مسجد بنانے کی اجازت نہیں ہے۔ یورپی ممالک کی مسلمان تنظیمیں اب اس طرف پوری طرح متوجہ ہیں کہ ہنگری کے مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق جو کہ ہنگری کے دستور میں درج ہیں، دلوائے جائیں۔ مسلمان تنظیموں کے نمائندے وقتاً فوقتاً ہنگری کا دورہ بھی کرتے ہیں، لیکن مذہبی بنیادوں پر عیسائی برادری اور سیاسی بنیادوں پر اشتراکی فکر کے حامل کیمونزم کی باقیات، مسلمانوں کے شدید مخالف ہیں، کیوں کہ کیمونزم نے ماضی قریب میں اسلام کے ہاتھوں ہی بدترین شکست کھائی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہنگری کے لوگوں کو جہاں مسلمانوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر ان کا مشکور ہونا چاہئے کہ جہاد افغانستان کے باعث ہنگری کو ایک فاشسٹ نظام سے آزادی ملی ہے اور آج ہنگری ایک جمہوری ریاست کے طور پر اپنی آزاد شناخت رکھتا ہے، اس کے برعکس وہاں مسلمان مشکلات کا شکار ہیں۔

●●

شعری مجموعہ کا اجراء

بیدر۔ انجمن ترقی اُردو ہند بیدر کے صدر جناب نثار احمد کلیم کے شعری مجموعہ فکر کلیم کا اجراء پروفیسر خالد سعید صدر شعبۂ اُردو مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی حیدرآباد کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس موقع پر پروفیسر خالد سعید، مسعود عابد اکھیلوی، یوسف رحیم بیدری اور دیگر نے مجموعہ کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا۔

بقیہ: الیکشن میں عوامی مسائل...

مقابلہ کانگریس اور سماج وادی پارٹی کے درمیان ہے۔

میں علماء کونسل چھوڑ کر کانگریس میں شامل ہوگیا ہوں۔ کانگریس پر تمام تر الزامات عائد کرنے کے باوجود مسلم عوام نے کانگریس کا ہی ساتھ دیا یہ پہلو قابل غور ہے۔ میں نے کانگریس سے یہ معاہدہ کرلیا ہے کہ میں یہاں رہ کر آر ایس ایس موساد اور سی آئی اے کی کارکردگی کو ظاہر کروں گا ان کے خلاف میری لڑائی جاری رہے گی انہوں نے میرے اس مطالبے کو تسلیم کرلیا ہے جس دن مجھے ایسا محسوس ہوگا کہ مجھے کام کرنے میں دشواری محسوس ہوگی میں اس سے بھی علاحدگی اختیار کرلوں گا لیکن میں فاشزم کے خلاف لڑتا رہوں گا۔ (گفتگو پر مبنی)

●●

آئیٹا کی مرکزی کونسل کا اجلاس

نئی دہلی- آل انڈیا آئیڈیل ٹیچرس ایسوسی ایشن (آئیٹا) کی مرکزی کونسل کا اجلاس ۹ رجون کو مرکز جماعت اسلامی ہند میں منعقد ہوا، اجلاس میں ملک گیر سطح پر ایک تعارفی مہم بعنوان ''جدید تعلیمی نظام اور اساتذہ'' یکم جنوری تا دس جنوری منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ بیت المال، رپورٹنگ ''مجلہ'' ''معمار'' کی تفصیلات، وغیرہ اُمور پر بھی گفتگو ہوئی۔ اجلاس کی صدارت جناب انعام الرحمٰن نائب صدر آئیٹا نے کی۔ جناب صدیق حسن نائب امیر جماعت اسلامی ہند نے ہیومن ویلفیئر فاؤنڈیشن کا مختصر تعارف پیش کیا۔ جناب مجتبیٰ فاروق سکریٹری شعبۂ ملی مسائل جماعت اسلامی ہند نے بطور نمائندہ جماعت اسلامی ہند اجلاس میں شرکت کی۔ جناب محمد جعفر نائب امیر جماعت اسلامی ہند نے اختتامی کلمات ادا کیا۔

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ''دعوت'' ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن
سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی
عمیر کوٹی ندوی، اشرف علی بستوی

ضرورت رشتہ

منصوری برادری سے تعلق رکھنے والی بارہویں پاس علمہ عمر ۱۹ سال، خوبصورت وخوب سیرت، امور خانہ داری میں ماہر لڑکی کیلئے تعلیم یافتہ برسر روزگار لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ مشرقی یوپی اور تحریک سے وابستہ رشتے قابل ترجیح ہوں گے۔

رابطے کے لئے موبائل نمبر
09450209263 / 09026438461

مئو کا بنا تیز اثر دار افضلس نورانی تیل

لیبل وکیپ پر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں

بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، خشنہ، کھانسی، نزلہ، زکام وغیرہ میں مجرب ومفید ہے

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan-Mau-275101 (U.P.)

مدارس اسلامیہ: غور وفکر کے چند پہلو

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵
P.O. Box No. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110025

جاپانی کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ پاور دھوپ کے چشمے ہی چشمے

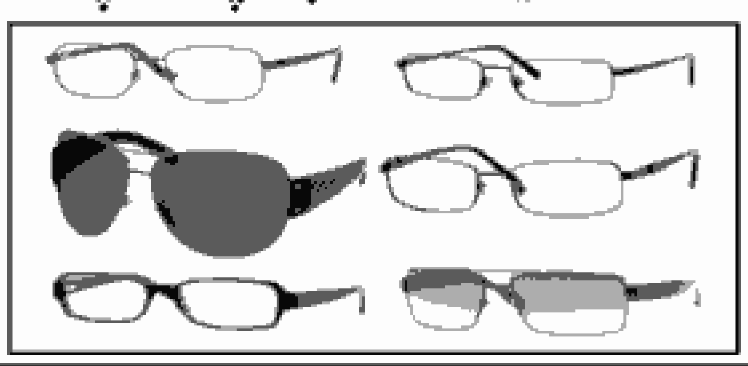

چشمہ ساگر معتبر گنج، شہر اعظم گڑھ، (یوپی)

ضرورت معلم

اسلامی اکیڈمی (علی گڑھ) میں ایک ایسے باصلاحیت استاد کی ضرورت ہے جو یونیورسٹی کے گریجویٹس کو عربی زبان وادب اور قرآن وتفسیر پڑھا سکے، تصنیف وتحقیق کا ذوق بھی رکھتا ہو اور انگریزی سے واقف ہو۔

درخواست سادہ کاغذ پر اپنے ضروری تعلیمی کوائف اسناد کی فوٹو کاپی اور مطبوعہ مقالات وکتب کے ساتھ ۳۰ رجون ۲۰۰۹ء اسلامی اکیڈمی کے حالیہ دفتر میں ارسال کریں۔

سکریٹری اسلامی اکیڈمی
D-320، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، اوکھلا، نئی دہلی Ph. 011-65482979

قیامت کے روز مرتبے کے اعتبار سے بدترین انسان وہ ہوگا جو دوسروں کی دنیا بنانے کی خاطر عاقبت تباہ کرڈالے۔''
(ابن ماجہ)

UNIQUE CREATIONS
Specialist in Unipole & Structure Hordings
#4, Building No.29/35, 1st Main, Opp. Masjid-e-Husna, S.R.K. Garden, Jayanagar East, Bangalore-41
E-mail: uniquecreations2008@gmail.com

دماغین برین ٹانک

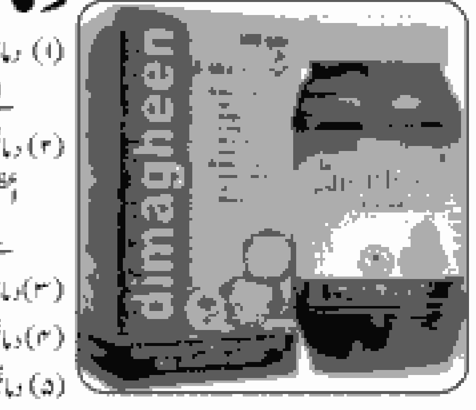

(۱) دماغین ہر عمر کے ذہنی وجسمانی طور سے مصروف لوگوں کے لئے مددگار ہے

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جامعۃ الصّفۃ ورنگل

دعوت دین واقامت دین کے لئے ایک تعلیمی تحریک

الحمدللہ! جامعۃ الصفۃ ورنگل اپنا پانچواں تعلیمی سال مکمل کر کے چھٹے سال کا سفر طے کر رہا ہے اور اپنے طے کردہ مقاصد کے تحت پیش قدمی کر رہا ہے۔ پانچ سال کی مختصر سی مدت میں بفضلہٖ تعالیٰ گزشتہ دو سالوں میں ۱۰ طلبہ نے حفظ کی تکمیل کی ہے اور امسال اللہ کے فضل وکرم سے مزید ۱۴ طلباء حفظ قرآن کی تکمیل کرچکے ہیں۔

جامعہ کا شعبہ عالمیت

جامعہ کے شعبہ عالمیت میں عربی اول تا چہارم جماعتیں قائم ہیں جس میں تشنگان علم وخادمان دین اپنے علم کی پیاس بجھا رہے ہیں تاکہ وہ معاشرہ میں منصبی کردار ادا کرسکیں۔ جامعہ میں تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ طلباء کی کردار سازی اور اسلامی فکری پختگی پر خاص توجہ کی جاتی ہے۔ جامعہ میں اس وقت ۱۴۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں اور تقریباً سارے ہی طلبہ دارالاقامہ میں مقیم ہیں ان کی تعلیم، رہائش وطعام کے اخراجات اہل خیر حضرات کے تعاون وسرپرستی سے مکمل کیے جاتے ہیں (اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) الحمدللہ! طلباء کو تلگو وانگریزی زبان بھی پڑھائی جاتی ہے تاکہ وہ برادران وطن میں دعوت دین کا کام انجام دیا جاسکے۔

شعبہ تدریب ائمہ

جامعۃ الصفہ ورنگل میں اس سال تدریب ائمہ کا دو سالہ کورس شروع کیا جارہا ہے جس میں ایسے طلباء کو داخلہ دیا جائے گا جو کم از کم آٹھویں جماعت کامیاب ہوں نیز جو اُردو یا تلگو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں اور بالخصوص دیہات کے رہنے والے ہوں۔ ان طلباء کو دوران تعلیم ماہانہ فی کس ایک ہزار روپے تعلیمی وظیفہ دیا جائے گا تاکہ طلباء اور اولیاء طلباء کو یکسوئی ہو اور طلباء دلجمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کرسکیں اور ان طلباء کے قیام وطعام کی ذمہ داری جامعہ پر ہوگی۔ ہر طالب علم پر ماہانہ ڈھائی ہزار روپیوں کا خرچ ہوگا (Rs.2,500/-) ادارہ اس سال ۲۰ طلباء کو تدریب ائمہ کے لئے داخلہ کا منصوبہ بنایا ہے۔ تدریب ائمہ کے دو سالہ کورس کے دوران ان منتخب طلباء کو امامت اور خطابت کے اصول قرآن، حدیث وفقہ کے علم اور حالات حاضرہ کے تقاضوں سے واقف کروایا جائے گا۔ اس دو سالہ کورس کی تکمیل کے بعد دیہاتوں میں ان طلباء کی خدمات سے استفادہ کیا جائے گا۔

محترم بھائی! آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ قادیانیت اور عیسائیت کے مبلغین مختلف طریقوں سے دیہات کے بھولے بھالے مسلمان بھائیوں کو مالی رغبت دلا کر مرتد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور کہ ہے کہ انہیں کامیابی بھی حاصل ہورہی ہے جب کہ شہروں میں رہنے والے مسلمان، صاحب ثروت اور اہل علم حضرات اس جانب خاطر خواہ توجہ نہیں دے پارہے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ دونوں فتنے امت مسلمہ کے لئے ایک بڑا مسئلہ بنے ہوئے ہیں مسلمانوں کو جہاں مختلف پہلوؤں سے کام انجام دینا ہے وہیں مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ بالخصوص ائمہ مساجد کو بھی تیار کرنا ہے جو دینی تڑپ رکھتے ہوں اور شہروں سے دور دیہاتی پس منظر میں کام کے لئے آمادہ ہوں۔ جامعۃ الصفۃ نے ایک طویل مدتی منصوبہ کے تحت اس اہم کام کو انجام دینے کا بیڑہ اٹھایا ہے جس کے لئے خطیر رقم کی ضرورت ہے اس خصوص میں اہل خیر اور دین کا درد رکھنے والے احباب آگے آئیں اور ان طلباء کی کفالت کی ذمہ داری سنبھالیں۔ جامعۃ الصفہ اس اہم پراجکٹ کو اللہ کے فضل وکرم اور خیرخواہان دین وملت کے تعاون سے انجام دے گا۔ انشاء اللہ۔

تعاون کی شکلیں ☆طلباء کی کفالت: تدریب ائمہ کے لئے فی طالب علم سالانہ -/30,000 روپے شعبہ حفظ کے لئے سالانہ -/10,000 روپے فی طالب علم ☆شعبہ عالمیت کے لئے سالانہ -/12,000 فی طالب علم (مدت پانچ سال) ☆اساتذہ کی تنخواہ کی شکل میں ماہانہ =/48,000 روپے ☆تعمیری کام اور قرضوں کی ادائیگی کیلئے۔ **نوٹ**: جامعہ اپنے خیرخواہوں کو ابھی تک بارہ لاکھ روپے قرض واجب الادا ہے اس خصوص میں تعاون کی درخواست ہے۔

ناظم جامعہ
محمد خواجہ عارف الدین

JAMIA-TUS-SUFFAH
Deshaipet Road, Warangal, A.P. India

سرپرست جامعہ
حضرت مولانا سید جلال الدین عمری مدظلہ
امیر جماعت اسلامی ہند

Phone: +91-870-2424576, Cell:+91-9849004547 A/c No. 444351498 Indian Bank Mandi Bazar, Warangal A.P. INDIA

اعلان داخلہ

مرکزی درس گاہ اسلامی، رام پور

(حکومت سے منظور شدہ)

(A residential School of Islamic & Modern Education)

خصوصیات

- ★ درجہ ایک تا جونیئر ہائی اسکول کی تعلیم کے علاوہ ہائی اسکول کلاسیز کی تعلیم کا بہترین بندوبست۔
- ★ اسلامیات کے ساتھ سائنس، ریاضی، کمپیوٹر، تاریخ وجغرافیہ، اُردو ہندی وانگریزی اور عربی کی معیاری تعلیم۔
- ★ بیرونی طلبہ کی رہائش اور خورد ونوش کے لئے صاف ستھرے بورڈنگ ہاؤس اور مطبخ کا نظم
- ★ پرسکون ماحول میں دینی تربیت اور اسپورٹس انچارج کی نگرانی میں کھیل کود کا انتظام
- ★ شخصیت کی ہمہ پہلو ترقی کے لئے جامع نظام، نظم وضبط پر خصوصی توجہ
- ★ تجربہ کار اور ٹرینڈ اساتذہ۔
- ★ داخلے کے لئے رجسٹریشن شروع ہوچکے ہیں۔ رجسٹریشن کی آخری تاریخ ۴ رجولائی ۲۰۰۹ء ہوگی۔
- ★ نئی میقات کا آغاز یکم جولائی ۲۰۰۹ء سے ہوگا۔
- ★ داخلہ فارم وپراسپیکٹس ۱۰۰ روپے کا منی آرڈر بھیج کر حاصل کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ: جدید داخلوں کیلئے Admission Test ۵ رجولائی ۲۰۰۹ء بروز اتوار منعقد ہوگا۔

پرنسپل مرکزی درسگاہ اسلامی
دو محلہ روڈ، رامپور (یوپی)، موبائل 0595-2324216

کلیاتِ حفیظ

از: حفیظ میرٹھی

تحریک اسلامی کے ہردل عزیز شاعر حضرت حفیظ میرٹھی کی

- محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار کرنے والی نعتوں،
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تعلق ووابستگی پیدا کرنے والی منقبتوں،
- قاری کو آفاقی پیغام دینے والی فکر انگیز غزلوں،
- بصیرت افروز نظموں

اور

- بعض دوستوں کے اصرار پر کہے گئے سہروں اور الوداعی نگارشوں کا دل کش مجموعہ۔

واضح رہے کہ ''کلیات حفیظ'' میں حفیظ میرٹھی کے دونوں شعری مجموعوں (شعر وشعور اور متاع آخر شب) کو بھی شامل کیا گیا ہے اور ان تمام دریافت شدہ شعری تخلیقات کو بھی جو کسی وجہ سے اِن مجموعوں میں نہیں شامل ہوسکیں۔

سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ ☆ صفحات: ۲۴۰ ☆ قیمت: -/Rs.150

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
P.O. Box No. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Ph: 26954341, 26971652 Fax : 26950975, 26947858
E-Mail : mmipublishers@gmail.com Website:www.mmipublishers.net